مُطابق ڈھال لیا۔ البتہ کمال دیانت داری سے اُنہیں (ARABIC FIGURES) یعنی عربی اشکال کا نام دیا۔ مگر ہم مُسلمان یہ اعتراف کرتے شرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہندوؤں سے بھی آیا ہے۔ اِس کی وجہ یہی جھوٹا پروپیگنڈہ ہے کہ عِلم الاعداد کے موجد حضرت علی تھے۔

عِلم ہندسہ سے نجُومیوں نے بڑے بڑے کام لئے ہیں اُن کے بزرگ رومن یا مصری اعداد میں گنڈے تعویذ لکھا کرتے تھے جو عام فہم نہ تھے اِس لئے کاہنوں اور منجموں کی چاندی رہتی تھی وہی وہ دشوار علم سکھتے تھے اور اِس سے لوگوں کی قسمت کا حال بتاکر کماتے کھاتے تھے مثلاً ان کا یہ تعویز ؎

رومن تعویز

XL VIII	XL I	XL VI
XL III	XL V	XL VII
XL IV	XL IX	XL II

CXXXV

نقشِ فاطمہ،

۴۸	۴۱	۴۶
۴۳	۴۵	۴۷
۴۴	۴۹	۴۲

۱۳۵

یہ تعویذ جب عربی ہندسوں میں منتقل ہوا تو پتہ چلا کہ اِن اعداد کا حاصِل جمع ۱۳۵ بی بی فاطمہ کے نام کے اعداد ظاہر کرتا ہے تو مُسلمان بھی حیرت سے مُنہ کھول دینے پر مجبُور ہو گئے اور اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ اِس متبرک نام کا نقش ضرور اِن خوبیوں کا مالک ہوگا جو مولینا لوگ بتاتے ہیں۔ بس مُسلمانوں میں کاہنوں اور نجومیوں کی جگہ مولوی اور مجتہد پیدا ہو گئے اور کھانے کمانے لگے۔

ناموں کے اعداد نکالنے کے لئے عجمیوں کو جواب عرب کہلائے جاتے تھے عربی حروف تہجی، اب ت ث ج ح خ کی ترتیب بدلنا پڑی یعنی رومن انداز میں ABCD سے ابجد KLMN سے کلمن QRST سے قرشت وغیرہ مقرر کئے اُسے آسمانی علم کہہ کر مولوی کو بھی سکھا دیا اور مولوی نے تسلیم کر لیا کہ یہ

عِلم حضرت علی آسمان سے سیکھ کر آئے تھے۔

تعویذ کیا ہیں؟

محض چند خانے جن میں کچھ خُفیہ اشارے باطنیوں کے ایجاد کردہ جو وہ دُوسری قوموں سے نقل کر لائے تھے لکھ دیئے جاتے ہیں اور سایل کو بتلایا جاتا ہے کہ اِن کے اثر سے اِس کی تقدیر بدل جائے گی کام بن جائے گا۔ معشوق قدموں میں آگرے گا یا دُشمن تباہ ہو جائے گا وغیرہ۔ اور وہ بدبخت حاجت مند جو پورے یقین سے تعویذ خریدتا ہے نہیں سمجھتا کہ اِس طرح وہ اپنی جیب کے ساتھ اپنا سینہ بھی نورِ ایمان سے خالی کر وا رہا ہے کیونکہ بُرا بھلا تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دیتا ہے مگر اِنسان جلد بازی میں اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے۔

آج ہمارے پیر بزرگ ولی۔ مُلا مولوی سبھی اِسی دھندے سے لگے ہوئے ہیں اور جاہلوں کو لوٹ رہے ہیں مگر نہ خُدائی فوجدار کچھ بولتے ہیں نہ مزاج شناسانِ نبوت کیونکہ سب ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ حصُولِ معاش کیلئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے پھر بھی پیشہ سہی، بقول حالیؔ ؎

دُنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو

اپنی مذہبی کتابیں اُٹھا کر دیکھئے ولیوں، بزرگوں کے قصے پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ سب کے سب یہی عُلوم بابلِ اِسلام میں سمو رہے تھے۔ اُنہوں نے علم ہندسہ کی مدد سے قران کے نقُوش تیار کئے۔ آیات کے نقوش بنائے اور سورتوں کے نقش تیار کئے پھر اِن کے فضائِل لکھ کر عوام میں پھیلا دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ ثواب حاصِل کرنے کے لئے نقُوش و تعویذ میں پھنس جائیں اور قران کو پڑھنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ اُنہیں خاصی کامیابی ہوئی اب لوگ سورہ یٰسین اور طٰہٰ کے نقوش گلے میں ڈال کر ساری برکتیں کما لیتے ہیں اِن کے مطالب پر غور کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔

علامتیں اور اشارے

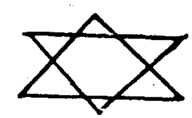
گزشتہ صفحات میں آپ نے چند اشاروں اور علامتوں کا ذکر سنا ہے جو عہد قدیم سے چلی

آ رہی ہیں مثلاً۔

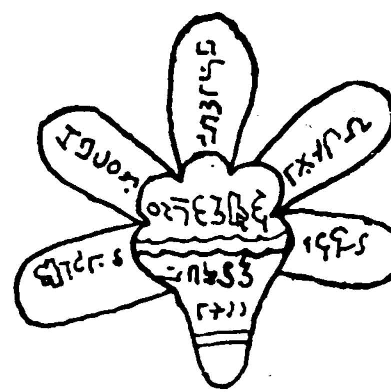
عیسائیوں کا صلیب + جو سواسٹیکا 卐 کو کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا ہے۔ دراصل سورج پرستی کی علامت ہے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ کے سولی پر چڑھنے کی یادگار ہے۔ مگر سولی پر چڑھنے کی اتنی خوشی کیوں منائی جاتی ہے۔ حقیقتاً یہ تثلیث پرستی کی علامت ہے یعنی ماں بیٹا اور روح القدس

ہندوستان میں قدیم باشندے جو، شیوا، پاربتی اور گنیش جی کے تگڈم کو پوجتے ہیں اپنی مذہبی علامت ترسول ψ بتلاتے ہیں۔ یعنی تین شاخوں کا تیر۔

یہودی اپنے چھ پیغمبروں کو ایک چھ گوشی ستارے کے ذریعہ یاد رکھتے ہیں جو اس طرح ہوتا ہے۔



پانچ دیوتاؤں کو ماننے والے پانچ گوشی ستارہ استعمال کرتے ہیں اور یہ عقیدہ بڑا قدیم ہے۔ حکیم سید محمود گیلانی اپنی مشہور کتاب ایلیا علیہ السلام میں بتلاتے ہیں کہ حضرت نوح کی قوم پانچ خداؤں کو پوجتی تھی اور ان کے نام اس طرح لکھ کر لوح پر کندہ کر لیتی تھی جو حال میں کوہ جودی سے دستیاب ہوتے ہیں۔



قرآن حکیم میں اُن پانچ بتوں کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر بتلائے گئے ہیں۔ نوح۔ ۲۳،

ہندوستان میں رام لچھمن سیتا اور ان کے دو بیٹوں لو اور کش کو پنج جنا کہا جاتا ہے۔ ان کے پرستار اپنے مکانوں پر گوبر سے پوتائی کے بعد گیرو کے رنگ سے ہاتھ کے پنجے بنا دیتے ہیں۔ جس سے اُن کا پنج جنا سے لگاؤ ظاہر ہوتا ہے مسلمانوں نے بھی علم پر پنجہ لگانا شروع کر دیا۔ اور خود کو پنج تنی کہنے لگے۔ حالانکہ ان کو ایک خدا (اللہ) کو پوجنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب اپنے چند اشارے دیکھئے اور بتلایئے آپ خود کتنے پانی میں ہیں۔

بسم اللہ کا اشارہ

آپ اپنے خطوں پر اکثر ۷۸۶ کا ہندسہ لکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہندسہ لکھ دینے سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا ثواب مل جاتا ہے کبھی کسی مولوی سے پوچھ کر ہمیں بھی بتایئے کہ کتنا ثواب ملتا ہے اور یہ ثواب کہاں رکھا جاتا ہے بعض لوگ ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ بھی لکھ دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ محمدؐ کے نام کے اعداد ہیں۔ یہ دونوں اعداد اس طرح لکھے جاتے ہیں $\frac{786}{92}$

مگر حال میں ایک شیعہ بزرگ نے ایک کتابچہ موسومہ قرآن، سلمان، ایران اہل مجلس میں فروخت کیا اس پر یہی نقش اس طرح تھا $\frac{786}{202}$، اب مجھے حیرانی ہوئی کہ بزرگان دین کے مقرر کردہ نقش کو بدلنے کی کس نے جسارت کی۔ اور کیوں کی ۹۲ کو بدل کر ۲۰۲ بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ محمدؐ کے ساتھ کسی لقب یا خطاب کا اضافہ ہوا ہے۔ مگر نہ رسول اللہ لگانے سے یہ عدد حاصل ہوا نہ ابن عبداللہ سے بات بنی چنانچہ باطنی علوم کی پوتھی کھولی تو معلوم ہوا کہ نہ ۷۸۶ سے بسم اللہ بنتا ہے نہ ۹۲ سے محمدؐ مقصود ہے۔ یہ تو محض ایک دھوکا ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

۷۸۶ دراصل الامیر المومنین علیہ السلام کے اعداد ہیں اور ۹۲ سے مُراد امامی ہے، ورنہ محمدؐ کے اعداد ۱۳۲ ہیں۔ اس لفظ میں میم تین بار آتا ہے۔ اور بسم اللہ کے اعداد ۷۸۸ بنتے ہیں۔

مجتہد صاحب نے ۹۲ کو ۲۰۲ لکھ کر وہ راز فاش کر دیا۔ معلوم ہوا کہ امامی سے پہلے علی کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ جاننے والوں کو معلوم ہو جائے۔

پس ۷۸۶ = الامیر المومنین علیہ السلام

۲۰۲ = علیؑ امامی

۲۰۲ = ۹۲ + ۱۱۰

۱۲ مُنہ کا اشارہ

بسم اللہ کے اشارے سے زیادہ دلچسپ اشارہ ۱۲ مُنہ کا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ باطنی اور شیعہ بزرگ اولیاء کے بھیس میں حدیث سازی تفسیر و تاویل کے کارخانے چلا رہے تھے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی روایتوں اور عبارتوں کے آگے وہ اپنی خاص علامت بنا دیتے تھے تاکہ جاننے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کمال کس کا ہے۔ وہ علامت تھی۔ ۱۲ مُنہ غفرلہٗ کی جس کا عربی تلفظ ہے۔ اثنا عشرہ مُنہ غفرلہٗ اور اردو ترجمہ ہوگا کہ لکھنے والا بارہ امامی شیعہ ہے۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ شیعہ حضرات آج بھی اپنی کتابوں پر ایسے انتباہ لکھ دیتے ہیں اور صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب اثنا عشری مذہب کی ہے غیر نہ دیکھیں یعنی سُنّی نہ پڑھیں۔

مگر ہمارا مُلّا دین کی تلاش میں شیعہ کتابیں پڑھتا ہے اور ان میں سے مضامین چُراتا ہے۔ چنانچہ یہ اشارہ بھی چُرا لایا اور بے سوچے سمجھے اسے ہر جگہ لکھنے لگا۔ میں نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری مذہبی کتابوں میں حتیٰ کہ قرآن کے حاشیوں پر بھی ہر جگہ ۱۲ مُنہ لکھا ہوتا ہے۔ موصوف نے اپنے مکتوب حوالہ ۴۰۹۲ مورخہ ۳ رجون ۶۵ء میں بتلایا

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خط ملا۔ آپ کے سوال کا جواب درج ذیل ہے۔

"۱۲ کے ہندسے سے مُراد خاتمہ کلام ہے۔ مُنہ سے مُراد یہ ہے کہ سابق عبارت یا متعلقہ متن جس شخص کے قلم سے ہے۔ یہ عبارت جس

کے بعد مُنہ تحریر ہے یہ بھی اسی مصنف کے قلم سے ہے۔ غفرلہٗ کا مدعا بھی یہی ہے۔ ویسے مُنہ کے معنیٰ اسی کی طرف سے اور غفرلہٗ کے معنیٰ اللہ اسے بخشے کے ہیں۔ خاکسار!"

یہ جواب میری ہدایت کے مطابق ہے۔ شرح دستخط (غلام علی)

شرح دستخط (ابوالاعلیٰ، (معاون خصوصی مولینا ابوالاعلیٰ مودودی)،

اب ہم کس سے پوچھیں کہ حضور خاتمہ کلام کے لئے ۱۲ مُنہ کیوں ضروری ہے کیا ۱۲ مُنہ یا ۱۱ مُنہ لکھنے سے کلام ختم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ چلیپا (✕) یا ڈیش (–) بھی تو کلام ختم کر سکتا ہے۔ ہمارے قرآن حکیم نے دائرے (○) آیت سے کلام ختم کیا ہے ج۔ ط۔ ع۔ ف وغیرہ سے بھی خاتمہ کلام ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو آپ ۱۲ مُنہ کی اہمیت بتلایئے۔

ایک دُوسرے بزرگ نے بتلایا کہ ۱۲ سے مُراد حد ہے پس بارہ مُنہ لکھنے سے کلام ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ حد ظاہری اسلام کی ہے یا باطنی اسلام کی۔ کیونکہ ظاہری اسلام میں حد کے معنیٰ سزا کے ہیں جیسے شراب کی حد کوڑے لگانا ہے اور چوری کی حد ہاتھ کاٹنا۔

البتہ باطنی اسلام میں وضو کی حد علی ہیں اور نماز کی حد محمدؐ جیسا کہ زاہد علی صاحب نے بتلایا ہے ہمارے بزرگانِ دینِ علی کا تصور کر لیتے تھے تو ان کا وضو ہو جاتا تھا اور محمدؐ کا خیال کیا تو نماز ادا ہو گئی، تو پھر یہ کیسی حد ہے مولوی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سُنّی مولوی نہ علوم باطنی جانتا ہے نہ علوم ظاہری محض چند عربی فارسی کی کتابیں پڑھ کر ناظرہ و خطبہ گانا سیکھ لیتا ہے اور مولوی بن جاتا ہے۔ پھر یہ بیچارے کسی سے پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کرتے۔ اگر مولوی صاحب نے خطوطِ غالب ہی پڑھ لئے ہوتے تو معلوم ہو جاتا۔ غالب اپنے دوست اور

شاگرد حاتم علی بیگ مہر کو لکھتے ہیں۔

صاحب بندہ اثنا عشری ہوں ہر مطلب کے خاتمے پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا (لکھتا) ہوں خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲ ائمہ۔ خطوط غالب ص۲۲۱

اس کے بعد اپنے ان علماء کے عقاید کا اندازہ لگائیے جو شعوری یا لاشعوری طور پر صدیوں سے ۱۲ ائمہ لگاتے چلے آئے ہیں۔ یقیناً ان کا خاتمہ بھی مرزا غالب کی طرح ہوا ہوگا۔

اُس بحث کی توثیق کے لئے رسالہ نگار ماہ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہونے والے مضمون شہادت عظمیٰ پر تبصرہ سے یہ اقتباس بے محل نہ ہوگا۔

علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں۔

"شریعت کا مدار اسلام کے تمام فرقوں میں دو چیزوں پر ہے قرآن مجید اور حدیث رسولؐ۔ سو حدیثوں کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلی صدی سے قبل جمع نہیں ہوتیں سب سے پہلے جامع حدیث ابن شہاب زہری ہیں۔ اور پانچویں چھٹی صدی تک شیعی و سنی محدثین میں باہم اتفاق رہا۔ شیعی اساتذہ سے اہلِ سنت حدیثیں سنتے اور سنی اساتذہ سے شیعی محدثین۔ اور ایک دوسرے کو حدیث کی روایت کرتے۔ البتہ جو راوی بہت زیادہ غلو کرتا (جھوٹ بولتا) اس کی حدیثیں قبول نہیں کرتے تھے۔ جیسے عمار بن مروان جو عجمی الاصل بنی سالم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جھوٹی حدیثیں حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرکے روایت کیا کرتا تھا مگر دوسرے متعدد شیعہ راویوں کی حدیثیں اہلِ سنت اپنی کتابوں میں لکھتے رہے سلیمان الاعمش۔ ابو اسحٰق اسبعی زبیدہ الیامی منصور بن المعتمر وغیرہم شیعہ تھے۔ مگر اہلِ اسلام کی کون سی کتاب ہے جس میں ان کی روایت کردہ حدیثیں نہیں ہیں بعض حدیثوں سے امام بخاری اور امام مسلم نے احتیاط برتی تو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ نے انہیں لے لیا۔ اسی طرح ابوعبداللہ الحاکم شیعی محدث نے فضائل ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں شیعوں کے سب

سے پہلے جامع حدیث ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۸ھ نے شیعہ حدیثیں۔ اہلِ سنت سے بالکل الگ ہوکر جمع کیں۔"

اس مضمون سے ظاہر ہوگیا کہ شیعہ راویوں نے محنت و مشقت سے جھوٹی ذاتیں اور حدیثیں جمع کیں اور سنی ملاؤں نے انہیں قبول کر لیا۔ اور نہ سوچا کہ ان کے آخر میں جو ۱۲ ائمہ کا اشارہ درج ہے اُس کا مطلب کیا ہے گویا شیعوں کا یہ بارہ اماًی اشارہ (۱۲ ائمہ) سُنی ملاؤں نے علی بابا کی مرجانا کی طرح جو قزاقوں کو دھوکا دینے کے لئے محلے کے سارے گھروں پر چلیپا (×) بنا آئی تھی۔ اپنی چار ائمہ روایتوں کے آگے بھی لگا کر ساری اُمت کو گمراہ کر دیا۔

ایک شیعہ مولوی کی شکایت

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری جو منتشری کام کر رہے ہیں بے حد ناراض ہیں کہ سُنی لوگ ان کے بزرگوں کو بھی مرنے کے بعد اپنا بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اردو زبان کے مجدد شاعر جناب اسداللہ خاں غالب کو اہلِ سنت والجماعت بنانے کی بعض ادیبوں نے سعی ناکام کی ہے۔ حالانکہ اُن کا حیدری شیعہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اُنہوں نے اپنے کلام میں اپنا مرکز اعتقاد سرکار ولایت علی مرتضیٰ روحنا و روح العالمین لہُ الفداہ ہی کو قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں !

یعنی بندگیٔ ابوتراب ہی دراصل حق کی بندگی ہے۔

جی ہاں ! وہ شیعہ اثنا عشری تھے۔ اُن کا خط ہم نقل کر چکے ہیں۔ حسب ذیل اشعار سے بھی اُن کی شیعیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ الطاف حسین حالی نے نہ جانے کیوں اُن کو مسلمان اور موحد ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور مجتہد صاحب کے لئے پریشانی کا سامان کر گئے۔ ورنہ غالب اپنے امامیہ شیعہ ہونے کا اعلان کرتے رہے تھے۔

اور بارہ امام ہیں بارہ ⁂ جس سے ایمان کو ہے توانائی
ان کو غالب یہ سال اچھا ہے ⁂ جو ائمہ کے ہیں تولائی

مگر بعض وقت ان کو اپنی شیعیت چھپانی بھی پڑتی تھی۔ بادشاہ ظفر کو دھوکا دینے کے لئے تقیہ کیا تو لکھا ؎

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری
کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیوں کر ہو جو ہو وے صوفی
شیعی کیوں کر ہو ماورا النہری

مشتری صاحب کو حافظ شیرازی کے مسلمان بن جانے کا بھی قلق ہے۔ لکھتے ہیں حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمہ کا شیعہ اثنا عشری (۱۲-امامی) ہونا اُن کے شاعرانہ افکار سے ظاہر و باہر ہے چنانچہ فارسی زبان میں اُن کو خمریات میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ فارسی میں شراب کے لئے بہت سے الفاظ ہیں مثلاً مے صہبا، تاک دختِ رز وغیرہ مگر اُنہوں نے صرف لفظ بادہ کو استعمال کیا ہے کیونکہ بادہ سے اُن کی غرض دوازدہ امام اہلِ بیت علیہ السّلام کی محبت مقصود ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ساقی بنور بادہ بیفروز جام ما !!
مطرب بزن کہ کام جہاں شد بکام ما

یعنی اے ساقی بادہ (بارہ امام) کے نور سے میرے دل کے پیمانے کو روشن کر دے۔ کہ دُنیا میں ہمارا آنا ہمارے مقصد کے مطابق ہے۔ ابجد کے حساب سے بادہ کے اعداد بارہ ۱۲ ہوتے ہیں۔ مشتری صاحب کو بڑی دور کی کوڑی لانی پڑی یعنی بادہ کے اعداد سے اُن کی شیعیت کا پتہ چلانا پڑا لفظ حد بھی کہیں نہ کہیں استعمال کیا ہوگا وہ بھی بتلا سکتے تھے مگر نہ جانے کیوں حافظ کے یہ اشعار نقل نہ کئے۔ جن سے معلوم ہو جاتا کہ وہ کس درجہ غالی و تبرائی شیعہ تھا ؎

یہ دشمناں منشیں حافظا تو لاکن !
نجاتِ خویش طلب کن بجان ہشت و چہار ۸+۴=۱۲
حرام زادہ و بدفعل و شوم و بے بنیاد
بمدحِ شاہ جہاں کئے کجا کند اقرار

یعنی حضرت علی کو شاہ جہاں نہ کہنے والے سُنّی مسلمان سب کے سب حرامزادے بدفعل، منحوس اور نطفہ بے تحقیق ہوتے ہیں اے حافظ تو اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ترک کر دے اور تولا کر اپنے بارہ اماموں کے ساتھ جو نجات دلانے والے ہیں۔ سُنّی مسلمانوں کو یہ دُعائیں مبارک ہوں مگر وہ لسان الغیب کے دیوان سے فال نکالنا نہ چھوڑیں۔

حد ہوگئی بعض لوگوں کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ بھئی حد ہو گئی اور بے سمجھے وہ اُسے دہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک باطنی اشارہ ہے جس میں حد کا لفظ (جس کے اعداد ۱۲ نکلتے ہیں) دراصل بارہ اماموں کو یاد دلانے کا وسیلہ ہے۔ حد ہو گئی کہنے سے مطلب ہوتا ہے کہ میں نے اپنے بارہ اماموں کو یاد کر لیا۔ اور ان کے دُشمنوں سے بیزاری کا اعتراف کرتا ہوں۔

۷۲ کا اشارہ

باطنی مذہب میں ۷۲ کا ہندسہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے آپ نے سُنا ہو گا حضرت حسین کے قافلے میں ۷۲ نفوس تھے۔ حالانکہ ان میں صرف ۱۸ مرد تھے باقی عورتیں اور بچے ہوں گے جن کی تعداد کون بتا سکتا ہے وہ پی آئی اے یا کے ایل ایم سے تو گئے نہ تھے کہ ایک فہرست کارواں کے ساتھ بھیجی جاتی اور ایک منزلِ مقصود کو روانہ کی جا چکی ہوتی۔

کربلا کے معرکے میں کل بہتر افراد قتل ہوتے جن میں بیشتر کوفی تھے

اور سب ایک گڑھے میں دفن کئے گئے جو گنج شہیداں کہلاتا ہے۔

روایت ہے کہ ۷۲ افراد نے حضرت علی کو خدا کہنا شروع کیا۔ تو حضرت علی نے اِن کو زندہ جلا دیا۔

روایت ہے کہ کربلا میں ہر اس شخص نے جو حسینؓ کی طرف تھا کم از کم ۷۲ اشخاص کو قتل کرنے کے بعد جام شہادت پیا

حسینؓ کے ۷۲ ساتھیوں کو مطیع کرنے کے لئے یزید نے بہتر ہزار فوج بھیجی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اتفاق سے اِسس ہندسے کی اہمیت ہمیں اُستاد ذوق نے بتلائی ہے

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد کے ہیں

یعنی مُسلمانوں میں ۷۲ فرقوں کا پروپیگنڈا اسلام کو بدنام کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ بحساب ابجد لفظ حسد کے اعداد ۷۲ نکلتے ہیں۔ بہتر کا اشارہ یاد دِلاتا ہے کہ تمہیں اپنے مخالفین سے حسد نفرت اور بغض کا اظہار کرنا چاہئے یہ باطنیوں کا خفیہ اشارہ ہے۔ اسلام میں بہتر فرقوں کا کوئی وجود نہیں۔ مُسلمان صرف دو طرح کے ہوتے ہیں۔ موحد اور مُشرک، موحد اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مشرک اپنے مُردہ و زندہ بزرگوں، اُن کے مزاروں، تابوتوں اور دُلدلوں کو پُوجتے ہیں۔

پانچواں باب

میں ہلاکِ جادوئے سامری	تو قتیلِ شیوۂ آذری
ترا دل حرم گروِ عجم	ترا دیں خریدۂ کافری

رسوم بابل اور ہم

اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو حکم دیا تھا "وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ" "تم میں ایک گروہ ایسا بھی تیار کیا جائے جو نیک کاموں کی دعوت دے، کرنے کے کاموں کی ترغیب دے اور نہ کرنے کے کاموں سے روکے"۔

جس کا مطلب تھا کہ ہمارے نام نہاد ہادیانِ دین جو نماز، روزے اور حج، زکوٰۃ، قربانی، خیرات، جہاد، نکاح اور اخلاق کے فضائل لکھ لکھ کر بیچتے اور روزی کماتے ہیں یا وعظ و مولود شریف پر تقریروں کی بڑی بڑی فیسیں وصول کرتے ہیں، کبھی کبھی شرک و بدعت و بے راہ روی پر بھی قلم اُٹھائیں۔ چوری، زنا، شراب اور جوئے پر بھی کتابیں لکھیں۔

مگر وہ اِس حکم کو نہ مانیں گے۔ مانیں تو کھائیں کیا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان کرایہ پر جا کر ماتم کرتے ہیں اور لہولہان ہو کر مرجاتے ہیں۔ مگر کوئی مولوی نہیں کہتا کہ یہ بدبخت حرام موت مرتے ہیں۔ اور جہنمی ہیں۔ اسی طرح کوئی بزرگ ایک پھٹا سا جوتا قرآنی آیتوں میں لپیٹ کر بیچ رہے ہیں اور پیسہ کما رہے ہیں۔

اور کوئی دعویدارِ اسلام زبان نہیں کھولتا ۔ کیونکہ ہر مولوی جانتا ہے کہ کسبِ معاش کے لئے ایسے دھندے کرنے ہی پڑتے ہیں ۔ کسی کو موئے مبارک بچوانا پڑتا ہے تو کسی کو غلافِ کعبہ جو ابھی کعبہ پر چڑھا بھی نہ ہو دکھا کر اپنی تقدیس جتانا پڑتی ہے اور ہماری حکومت مولویوں کے ہاتھوں بے بس ہے ۔ بچوں کی درسی کتب میں تیوہاروں کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ ہمارے تیوہار ہی ہم کو دُنیا کی دیگر مہذب قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر سکتے ہیں ۔ آیئے اپنی چند عیدیں بطورِ تیوہار منائیں ۔

عیدِ نوروز

اِسلامی مملکت پاکستان میں مسلمان بچوں کے لئے گیارہویں جماعت کے نصاب میں لکھا ہے ۔ " نوروز ایک عالم افروز دن ہے ۔ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے یومِ عید مناتے ہیں اور بالفرض کوئی نہ مانے بھی تو بھی موسمِ بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق و شوق پیدا کر دیتا ہے ۔

ترک چنگیزی کو کچھ مذہب نہ رکھتے تھے ۔ اور جاہل محض تھے اِس دن گھروں کو سجاتے اور خوان لغما لگاتے تھے پھر سب مل کر لوٹتے لٹاتے تھے ۔ ایرانی پہلے بھی مانتے تھے ۔ زرتشت نے آکر اُس پر مذہبی سکہ لگا دیا ۔ کیونکہ اِس کے خیالات کے مطابق آفتاب سب سے روشن دلیل خداشناسی اور حق جوئی کی ہے ۔ ہندو بھی اِس خیال میں اِن سے متفق ہیں "۔ (جشنِ نوروز از محمد حسین آزاد)

آزاد صاحب کا تعلق باطنی فرقے سے تھا ۔ آپ آفتاب یعنی سورج کو خداشناسی کی دلیل جانتے تھے اِس لئے یومِ نوروز کو مہذب قوموں کا تیوہار بتاتے ہیں ۔ اور ہمارے بچے اِن اسباق کو یاد کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں ۔ اور لطف یہ کہ نوروز اور سورج کی اہمیت کو نہ ماننے والے سُنیوں پر چوٹ بھی کر دی جاتی ہے ۔ میرے بچے نے مجھ سے پوچھا کہ نوروز نہ ماننا فطرت کے خلاف جانا کیوں ہے ۔ میں اُسے کیا بتلاتا اور بتلا دیتا تو وہ پاس کیسے ہوتا ۔

خاص کر اپنے ملک میں جہاں ۲۳ مارچ کو سرکاری چھٹی دی جاتی ہے جو شیعوں کا یومِ نوروز ہے ۔ مگر سُنی اِسے یومِ پاکستان سمجھ کر منانے کے پابند کئے گئے ہیں ۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم ایک عیسائی کی زبانی اِس نوروز کی کہانی سُناتے ہیں ۔ شاید انہیں اپنے اسلام پر سوچنے کا موقع ملے ۔ ہیوبرٹ آرم اسٹرانگ اپنے رسالے "پلین ٹروتھ" شمارہ دسمبر ۱۹۶۴ء میں لکھتا ہے اور عیسائیوں کیلئے لکھتا ہے ۔

نوروز اور عیسائیت

لوگ عام طور پر سمجھتے ہیں کہ پہلی جنوری کو سال نو منانا کوئی مذہبی رسم ہے حالانکہ اِس کا ذکر بائبل میں نہیں ۔ نوروز منانے کی رسم دُنیا کی قدیم ترین مُشرکانہ رسم ہے اور چار ہزار سال قبل مسیح سے رائج ہے ۔ دُنیا کی ہر قوم سوائے مسلمانوں کے یہ تیوہار مناتی ہے ۔ اور اِس میں مہذب و غیر مہذب سب ہی شامل ہیں گو اُن کی تاریخوں اور مہینوں میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے ۔ عیسائی سردیوں میں یکم جنوری کو مناتے ہیں ، ہندوستان کے آریا نژاد ہندو اور ایرانی موسمِ بہار کے شروع کا دن مقرر کئے ہوئے ہیں (۲۱ یا ۲۳ مارچ)

بابل اور نینوا کی قدیم ترین تہذیب سے معلوم ہوتا ہے کہ سال نو کی خوشیاں بڑے آب و تاب سے منانے کی رسم کفار و مشرکین نے ایجاد کی تھی ۔ دینِ ابراہیمی کو اِس سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔

ارل کاونٹ لکھتا ہے کہ "میسوپوٹامیہ یعنی ارض بابل ہی جو دراصل دُنیا کی تہذیب کا گہوارہ ہے چار ہزار سال قبل مسیح پہلے پُرانے سال کے ختم ہونے اور نئے سال کے شروع ہونے کی خوشیاں بارہ دن تک منائی جاتی تھیں جس میں چراغاں ہوتے ، آگ جلائی جاتی اور روشنیاں کی جاتیں ۔ تحفہ تحائف دیئے جاتے ۔ کھیل تماشے ہوتے ۔ ہنسی مذاق ، ناچ گانا مسخرہ پن اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ ، گھر گھر دعوتیں اور مبارک سلامت ہوتی ۔ چندے وصول کئے جاتے جس سے آگ روشن کی جاتی ۔ اِس پر قربانیاں دی جاتیں ۔ ایک دُوسرے پر رنگ اور کیچڑ پھینکی جاتی کیونکہ یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے اور آگ کو سورج سے جو نسبت ہے اِس کے ماننے والوں کی آج بھی دُنیا میں کمی نہیں ۔ نور کو پُوجنے والے اب بھی چراغاں کرتے اور روشنی کو مذہبی اہمیت دیتے ہیں ۔ خواہ وہ مندر ہو یا کلیسا یا کوئی مقبرہ اور خانقاہ ہر جگہ روشنی کو ہی

اہمیت حاصل ہے اور اس کی محرک وہی بابلی تہذیب ہے نہ کہ مذہب۔ چراغاں کرنے اور روشنی کو پوجنے کا ذکر نہ مسلمانوں کے قرآن میں ہے، نہ عیسائی بائبل میں۔ اور نہ ان کے پاس چراغاں کرنے والا کوئی تہوار ہے۔

سالِ نو کے جشن کا رواج بابل و نینوا میں نمرود نے شروع کیا۔ یہ بادشاہ سورج کو پوجتا تھا۔ کیونکہ سورج اُن کے عقائد کے لحاظ سے شیطان کا مظہر ہے۔ شیطان آگ سے بنا ہے۔ اِس لئے نمرود نے آگ اور سورج کی پرستش شروع کروائی۔ نمرود کو شیطان ہی نے سب کچھ دیا تھا۔ اُس نے چاند سورج اور ستاروں کا علم بھی سکھایا۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ اُس علم نے جو ترقی اس وقت کی تھی وہ آج بھی کارآمد ہے۔ شمسی سال اور رفتار سیارگان پر اُن کا علم مکمل تھا۔ جس میں کوئی ترمیم ممکن نہیں ۳۶۵ دن کا سال آج سے پانچ ہزار سال پہلے جس طرح نمرود نے چار موسموں پر تقسیم کیا تھا وہ جاری ہے۔

چنانچہ ہندو آریا خود کو سورج اور چاند کی اولاد سمجھتے ہیں۔ جاپانی بھی خود کو سورج کی اولاد بتلاتے ہیں۔ یورپ میں سورج کی نسل آریائی موجود ہیں مگر وہ عیسائی ہو گئے۔ اِس لئے انہوں نے اپنا نوروز موسم بہار سے ہٹا کر جاڑوں کے موسم میں کرلیا ہے اور اس میں بھی ایک راز ہے۔ وہ یہ کہ **۲۱** دسمبر کو سورج کا اثر دُنیا پر سب سے کم ہوتا ہے یعنی یہ سب سے چھوٹا دن ہے۔ اِس لئے سورج کو یاد کرنے کا زمانہ یہی ایک عشرہ زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ اور وہی ساری رُسوم منائی جانے لگیں جو کبھی اِن کے اجداد زمانہ کفر میں مناتے تھے (پلین ٹروتھ)

ناصبی بھائیو! دیکھا یہ عیدِ نوروز کس کی سُنت ہے اور کیوں منائی جاتی ہے؟ یہ رنگ رلیاں، روشنیاں، چراغاں، اور آگ کے کھیل آتش بازیاں کس طرح اسلام میں سموئی گئی ہیں۔ شب برأت ہو یا جشنِ میلاد آپ سے کہا جاتا ہے کہ چراغاں کیجئے۔ اور انعام حاصل کیجئے۔

ورنہ اسلام تو کہتا ہے کہ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ " ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون "

یعنی رات دن سورج، چاند اور ستارے سب تمہاری خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر اِس بات کو سمجھنے کے لئے عقل رکھنے والی قوموں کی ضرورت ہے۔ انُہارا مؤوی سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے۔ اِس کا پیچھا چھوڑ دو اور قرآن سے ہدایت حاصل کرو، سورج اور اسکی روشنی کو نہ پوجو۔

عیدِ شعبان

شعبان کی پندرہویں شب کو شب برأت کہا جاتا ہے۔ برأت، بری مبرّا اور تبرّا ایک ہی مصدر سے بنے ہیں۔ برات کے معنی چھٹکارا یا نجات کے ہیں۔ مسلمانوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ اِس رات کو سال بھر کے گناہوں کا حساب ہو جاتا ہے۔ پچھلے گناہ مُعاف کر دیئے جاتے ہیں اور اگلے گناہوں کے لائسنس جاری کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ مودودی صاحب فرماتے ہیں "شب برأت کو عموماً مسلمانوں کا تیوہار سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے کچھ مراسم بھی مقرر کر لئے گئے ہیں۔ جن کی شدت سے پابندی کی جاتی ہے۔ دھوم دھام کے لحاظ سے تو گویا محرّم کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ مگر سچّی بات یہ ہے کہ یہ خواہ مخواہ کا بنائی تیوہار ہے۔ قرآن میں اس کی اصلیت ہے نہ حدیث میں۔ نہ صحابہ کرام کے دور کی تاریخ میں ہی اِس کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے۔ اور نہ ابتدائی زمانے کے بزرگانِ دین ہی میں کسی نے اُس کو اسلام کا تیوہار قرار دیا ہے۔"

ناظرین دیکھیں مودودی صاحب نے کس ٹھاٹھ سے اِس متبرک شب کو (جب ہم حلوے پکا پکا کر دوست احباب میں تقسیم کرتے۔ اپنے بزرگوں کی فاتحہ دلاتے اور اُن کے گناہ بخشواتے ہیں) غیر اسلامی قرار دیکر ان باتوں کی اہمیت دل سے نکال دی ہے۔ اب تو لازماً ہمیں اِس تیوہار کو منانے سے اجتناب کرنا پڑے گا۔ مگر کیا موصوف نے واقعی یہ حکم دے دیا ہے کہ اِس دن کوئی اہتمام نہ کیا جائے جی نہیں جو یہ حکم نہ مانے اسکے لئے فرماتے ہیں:-

" جب ہم تلاش کرتے ہیں کہ شعبان کے مہینے میں اِس خاص دن کے ساتھ کوئی مستند مذہبی عقیدہ وابستہ ہے یا کوئی لازمی عبادت مقرر ہے تو ہم کو اس کا بھی کوئی نشان

نہیں ملتا۔ سوائے اُس کے (کہ اُس سوائے پر غور فرمایئے) کہ ایک دفعہ شعبان کی پندرہویں شب کو حضرت عائشہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا وہ

{ آپ کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے بقیع کے قبرستان پہنچیں وہاں آپؐ کو موجود پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دُنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے" (بہ اصلاح مودودی) }

مذکورہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے۔ مولوی صاحب نے ایک حدیث فراہم کر دی ہے جس کی رو سے آپ اس رات کو گھر چھوڑ کر قبرستان کی طرف نکل جایئے مسجد اگر گھر کے قریب بھی ہو تو وہاں نہ جایئے۔ خدا اس رات مسجدوں سے غائب رہتا ہے۔ وہ قبرستانوں میں ڈیرہ ڈالتا ہے۔ اور مُردوں کا حساب کتاب کرتا ہے جس کے اقرباء زیادہ حلوہ پکاتے ہیں اُسے زیادہ اور جس کے کم اُسے کم ثواب دیتا ہے۔ اور اس کے گناہ بھی اسی حساب سے مُعاف کرتا ہے۔

رسول اللہؐ غالباً یہی تماشہ دیکھنے جنت البقیع پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ سُنّتِ رسولؐ بن گیا۔ اب جانشین نبوت کی طرف سے اشارہ ہے کہ آپ بھی یہی کیا کریں۔ اور آپ کی عورتوں کے لئے لازم ہے کہ اس رات گھر بار چھوڑ کر اپنے شوہروں کو گلی گلی ڈھونڈ کر قبرستان میں جا پکڑیں کہ یہ سُنّت عائشہ رضؓ ہے۔ (نعوذ باللہ)

خدا کی مار ہو ان مولویوں کی عقلوں پر جو اندھی تقلید کو اسلام بتلاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کسی باطنی نے ام المؤمنینؓ پر یہ افترا اسلام کو رُسوا کرنے کے لئے گھڑی تھی۔ گویا کہ رسولؐ کی آٹھ دیگر بیبیاں اور ساری اُمّت پڑی سوتی رہی۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کو اپنے شوہر کو تلاش کرنے قبرستان جانا پڑا۔ جہاں عام عورتوں کو جانا منع ہے۔ افسوس صد افسوس مسلمان عقل استعمال کرنے سے کتنا عاری ہے۔ اور مودودی صاحب کو کیا کہا جائے وہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح جھوٹ اور سچ ملا کر پیش کر دیتے ہیں اور اُسے اسلام بتلاتے ہیں۔ مُراد سوائے اس کے کیا ہے کہ جو مولوی ان جھوٹی حدیثوں سے کام چلا رہے ہیں وہ بھی کھاتے کماتے رہیں۔

اور ان سے ناراض نہ ہوں۔ اور جو سچ کی تلاش میں ہیں وہ نہ کہہ سکیں کہ مولوی صاحب نے سچ کو پیش نہیں کیا ہے۔ ہر چند وہ جھوٹ میں لپٹا ہوا ہے۔

شب برأت کی بدعتوں پر اگلوں نے بہت کچھ لکھا ہے مگر غالباً سب کا انداز بیان یہی رہا یا ممکن ہے کہ کسی نے سچ پیش کیا ہو لیکن دُوسروں کا جھوٹ اس پر حاوی ہو گیا۔ جیسا کہ حسب ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

شعبان کی بدعتیں

امام ابن تیمیہ کی سوانح میں مولوی یوسف کوکن عمری صاحب لکھتے ہیں: "شعبان کی پندرہویں شب کو شام و عراق کے باشندے صلوٰۃ الالفیہ (ہزارہ نماز) پڑھتے تھے۔ یہ سو رکعت کی نماز ہوتی تھی۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا۔ اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی جاتی تھی۔ بعض سو رکعت کی جگہ صرف دس رکعت پڑھتے مگر سورۂ اخلاص گیارہ کی جگہ سو مرتبہ پڑھ لیتے تھے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ لوگ جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اُس کو صلوٰۃ الخیر کہتے تھے۔ پھر حسن بصریؒ سے یہ غلط روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا مجھ سے تیس سے زائد اصحابِ رسولؐ نے بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ستر مرتبہ نظر ڈالتا ہے۔ اور ہر نظر میں اُس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے۔ جن میں سے ایک ادنیٰ حاجت مغفرتِ الٰہی ہے (احیاء العلوم ص۱۸۲ جلد اول)

عمری صاحب آگے لکھتے ہیں کہ ابو طالب مکی اور امام غزالی کے لکھ دینے سے عام مسلمانوں کو غلط فہمی ہو گئی کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ ہجری میں جاری کیا۔ یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا اس نے پہلے تنہا پڑھنا شروع کیا۔ دُوسرے اس کی اقتدا کرنے لگے۔ ان راتوں میں ہر گھر میں حلوے مانڈے پکائے جاتے اور مسجدوں میں روشنی کا انتظام ہوتا صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ جہاں ہر قسم کے لچے بدمعاش جمع ہوتے۔ خوانچہ والے مسجدوں میں صدا لگاتے اور سقے پانی لئے ہر طرف گھومتے مردوں اور بچوں کے ساتھ

عورتیں بھی زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر ان نمازوں میں شریک ہوتیں۔ بندرہویں شعبان کو خاص طور سے عورتیں زیادہ آتی تھیں اور مقبروں اور مزاروں پر بھی حاضری دیتی تھیں (ص ۱۳۳)

آگے لکھتے ہیں: ہر دور میں علماء نے ان بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی مگر عوام کی عقیدت کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو ہو کر پھر جاری ہوتی رہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ان بدعتی نمازوں کو مسلمانوں سے ختم کروایا۔ انہوں نے لکھا "اس سے زیادہ سخت اور بری وہ اسبوعی اور حولی نمازیں ہیں جن کی بنیاد ابو طالب مکی، ابو حامد غزالی (امام غزالی) اور شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے عجمیوں نے ڈالی ہیں۔ اور ان کو سنت رسول بتلایا ہے۔ جن میں صلوۃ الالفیہ (ہزارہ نماز) جو رجب و شعبان میں ادا کی جاتی ہیں اور سات رجب اور ۲۷ رجب کو یا شب عاشورہ یا عیدین کی شب میں پڑھی جاتی ہیں سب بدعت ہیں۔ اور ان سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں۔ جو کوئی دجمی اختراع سے زیادہ نہیں۔ جو ان نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مشرک و کافر ہے۔" (صفحات ۳۶ ۱۳۵۰)

مگر افسوس کہ بدعات کو جاری کرنے والوں کا حال معلوم کرنے کی زحمت نہ کی گئی۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ عالم تھے مگر انہوں نے علوم باطنی نہیں سیکھے تھے۔ آیئے دیکھیں ہمارے علم باطنی میں اس مہینے کی اہمیت کیا ہے؟ اس رات کو خدا کیوں آسمان دنیا پر اترتا ہے؟

باطنی فضیلت ماہ شعبان

تحفۃ العوام مقبول میں اس کی بے شمار فضیلتیں درج ہیں اسے رجب سے زیادہ بابرکت مہینہ شمار کیا گیا ہے خاص کر تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخیں ایام البیض کہلاتی ہیں جس کے بارے میں لکھا ہے۔

شب پانزدہم شب بیداری کرنے کہ اول سے آخر شب حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے کہ آیا کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں بخشوں۔ کوئی ہے کہ روزی طلب کرے

کریں روزی اس کی کشادہ کردں اور غسل اس شب میں باعث تخفیف گناہاں ہے۔ منجملہ اعمال اس شب کے زیارت امام حسین علیہ السلام ہے کہ پیغمبران و ملائکہ اس شب خدا سے رخصت لے کر آنحضرت (حسینؓ) کی زیارت کو آتے ہیں۔ پس خوشحال اس کا جوان بزرگوں سے مصافحہ کرے۔

اس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجئے۔ سب پیغمبر کربلا جاتے ہیں اور حسینؓ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسینؓ پڑھیں تو گویا آپ بھی سب سے مصافحہ کر سکتے ہیں۔

آگے مرقوم ہے کہ جملہ برکات متذکرہ اس شب صرف اس لئے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی اس شب ولادت ہے۔ اس سبب سے سنت ہے کہ اس شب یہ دعا پڑھے کہ بمنزلہ زیارت آنحضرت (امام مہدی) ہے" تحفۃ العوام۔ دعا اسی کتاب میں دیکھئے۔

اس شب کی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ یہ ولادت امام مہدی کی شب ہے جو چند وجوہ سے ہماری نظروں سے مستور ہیں۔ اور باوجود صدیوں سے بلائے جانے کے ابھی نکل نہیں سکے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ عیسائی خونخوار دلی (لپرکس) بچوں والے دلی۔ (سانتا کلاز) کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ بابلی اپنے شیر خدا یا بھیڑیئے خدا کے منتظر تھے۔ چنانچہ مسلمان اس رات کو چراغاں کرتے ہیں۔ حلوے پکاتے ہیں اور فاتحہ دلاتے ہیں کوئی اویس قرنی کا (پہاڑی بھیڑیا) کوئی خواجہ خضر کا (سبز پوش ولی کا) کوئی اپنے باپ دادا کا اور ان کے بچے آتش بازی چھوڑتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں کہ شرک میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اور ہندو نہ کہیں کہ تم دیوالی کیوں نہیں مناتے۔

اور شیعہ بھائی اس رات کو مشعلیں اور قندیلیں لے کر تالابوں، دریاؤں اور سمندروں کے کنارے چلے جاتے ہیں۔ اور امام العصر کی خدمت میں رقعات عرضیاں اور سونے چاندی کی تختیاں جن پر لکھا ہوتا ہے۔ اب انتظار نہ کرائیے۔ جلدی نکل آیئے آپ کے بغیر ہم بڑی کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔ یا امام منتظر امام مستور جلد توجہ کیجئے۔ ہمارے ناصبی بھائیوں نے نہ دیکھا ہو تو اگلے سال بیٹھی جیٹی کراچی پر پل کے ساتھ

لینے والا یہ میلا ضرور دیکھیں بلکہ ایک آدھ پرچی یا عرضی خرید کر پانی میں ڈالیں اور اِس کا کمال دیکھیں۔ ہو سکے تو مودودی صاحب کو بھی بلا کر دکھائیں کہ یہ سب خوشیاں قائم آلِ محمد کے آسمان دُنیا پر اُترنے کی ہیں۔ شیعہ اُن کو ڈھونڈنے قبرستان نہیں جاتے صرف پانی میں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو قبرستان جانا کیوں سکھایا

عیدِ رجب

رجب کی عید دراصل کونڈوں کی عید کہلاتی ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان ایک لکڑہارے کا قصہ امام جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت امام جعفر صادق اپنے محبوں اور مصاحبوں کے ہمراہ ایک لکڑہاری کے پاس تشریف لائے جس کا شوہر لاپتہ تھا۔ اور وعظ فرمانے لگے۔ پھر اپنے محبوں سے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ یاروں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ رجب کا مہینہ ہے۔ فرمایا آج کونسی تاریخ ہے؟ دوستوں نے کہا یا امام آج بائیسویں تاریخ ہے۔ تب امام جعفر صادق نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کیسی ہی مشکل اور حاجت رکھتا ہو آج کے دن ۲۲ رجب کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے مقدور دیا ہو۔ وہ موافق مقدور کے پوریاں میدے کی پکا کر اور کھیر دو کونڈوں میں بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ دیکر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جو کچھ اپنی حاجت اور مراد مانگے تو خدا تعالیٰ اس کی مشکل آسان کردے گا۔ اور حاجت مراد برلائے گا اور دعا اُسکی مستجاب ہوگی۔ اگر نہ ہوگی تو روزِ محشر میرا دامن اور اُس کا ہاتھ ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق تشریف لے گئے۔"

یہ روایت مترکر محمن برادرز تاجران کتب فریر روڈ کراچی علا نے نیاز نامہ حضرت امام جعفر صادق مع نیاز نامہ حضرت مشکل کشا علی علیہ السلام و نادِ علی شریف کے نام سے شائع فرمایا ہے اور مسلمان اسے بصد اعتقاد سارے پاکستان میں تقسیم کر رہے ہیں

اس روایت کے چند پہلو علوم باطنی کی روشنی میں دیکھئے۔

ا۔ شیعہ امام جس کا نام صادق رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۲۲ رجب بڑی مبارک تاریخ ہے "گو قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ علماء اہلِ سنّت اس کو جانتے ہیں، پھر کیوں یہ تاریخ اتنی اہم ہوگئی۔ یہ ہمارا باطنی راز ہے۔ آپ کو کیوں بتلائیں!

۲۔ اِس تاریخ کو امام جعفر نے اپنی فاتحہ کرنا متبرک و مستحب بتلایا ہے اور لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ ان کا فاتحہ اِن کی زندگی میں یعنی جیتے جی ہی شروع کر دیا جائے اُس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ صرف مُردوں کا حق نہیں زندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ جس سے خوش ہو جائیں اِس کا فاتحہ کر دیں۔ مودودی صاحب اجازت دیں تو ہم بھی اُن کے نام کے کونڈے کر دیں۔

۳۔ کونڈوں کی عید دوسری عیدوں سے زیادہ متبرک اِس لئے ہے کہ اِس میں امام صاحب کی گارنٹی شامل ہے۔ پسند نہ آئے تو پیسے واپس۔ آپ نے فرمایا ہے اگر کوئی دُعا قبول نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑنا

ہمیں معلوم نہیں کہ امام صاحب کیسے کپڑے پہن کر حشر میں نمودار ہوں گے۔ دوسرے سب تو مادرزاد ننگے ہوں گے کیونکہ اُن کے کفن جو دیئے گئے تھے گل سڑ کر یا کفن چور صاحبان کی دستبرد سے تلف ہو چکے ہوں گے۔ اِس لئے سب آنکھیں جھکائے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ کسی کے پاس دامن نہ ہوگا جو پکڑا جاسکے لیکن امام صاحب کا سیاہ جُبّہ محفوظ رہے گا۔ اور وہ دامن تھما دیں گے۔

افسوس یہ روایت کئی سَو سال سے مسلمانوں کو سُنائی جا رہی ہے۔ مگر کسی نیک بخت نے یہ غور کرنے کی کوشش نہ کی کہ ۲۲ رجب کو اتنی اہمیت کیوں ہے؟ امام جعفر رض نے اِس دن اپنا فاتحہ دلایا تو کیوں؟ نہ وہ اُس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ نہ انتقال فرمایا نہ اِن کا کوئی دوسرا امام اِس تاریخ کو پیدا ہوا یا مرا۔

رجب کی بدعتیں

مولوی یوسف صاحب سوانح امام ابن تیمیہ میں لکھتے ہیں "امام ابن تیمیہ کے زمانے میں سب سے زیادہ بدعات کا مظاہرہ رجب و شعبان کے مہینوں میں ہوتا تھا۔ رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھا جاتا۔ اور رات کو مسجدوں میں باجماعت صلوٰۃ الرغائب پڑھی جاتی۔ یہ بارہ رکعت کی نماز ہوتی تھی۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ انا انزلنا، اور سورۃ اخلاص بارہ بارہ دفعہ پڑھی جاتی اور ہر دو رکعت کے بعد آنحضرت ﷺ پر ستر بار درود بھیجا

جاتا تھا۔" (صفحہ ۱۳۱)

یہاں بارہ بارہ اور ستر بار دُرُود کے اعداد پر غور فرمائیے یہ خاص شیعی اشارے ہیں۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم جز اول، صفحہ ۱۸۳ پر اس کو مستحب قرار دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جھوٹی روایت نقل کی ہے کہ جو کوئی اس رات یہ نماز ادا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ چاہے اس کے گناہوں کی تعداد سمندر کے جھاگ کے برابر یا صحرا کی ریگ اور پہاڑوں کے وزن اور درختوں کے پتوں کی گنتی کے برابر کیوں نہ ہوں۔ اور ایسا شخص قیامت کے دن اپنے خاندان کے ستّو دوزخی آدمیوں کو آگ سے نجات دلائے گا" (صفحہ ۱۳۱)

امام غزالی صاحب مسلمانوں کے برگزیدہ امام سمجھے جاتے ہیں۔ آپ ۲۲ رجب کی اہمیت بتلا رہے ہیں جو خود رسول اللہ کو اپنی زندگی بھر کی عبادتوں سے بھی حاصل ہونی محال تھی۔ اُنہوں نے فاطمہؓ سے کہا۔ میں قیامت کے دن تیرے کام نہ آسکوں گا۔ اور یہاں ایک باطنی اگر یہ نماز پڑھے تو اپنے ساتھ دُوستّو دوزخیوں کو بھی آگ سے نجات دلا سکتا ہے۔

باطنی فضیلت ماہ رجب

آیئے دیکھیں ۲۲ رجب کی اہمیت باطنی اسلام کی رو سے کیا ہے؟ تحفۃ العوام مقبول میں ہے کہ

"فرمایا جناب امیر المومنین نے کہ جو اول درمیان یا آخر ماہ رجب کا ایک روزہ رکھے اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور جو تینوں روزے رکھے تو سب گناہان گزشتہ وآئندہ اُس کے بخشے جائیں گے۔ اور جو کوئی اس مہینے میں ایک رات شب بیداری کرے حق تعالیٰ اس کو آتش جہنم سے آزاد کردے گا۔ اور ستر مرد گنہگار کیلئے اسکی شفاعت قبول کریگا۔ اور جو سات روزے رکھے اس ماہ میں تو سات دروازے آسمان سے اُس کی روح کے لئے کھل جائیں گے تاکہ وہ ملکوت اعلیٰ میں پہنچے اور جو سارے ماہ رجب کے روزے رکھے وہ گناہوں سے اس طرح باہر آئے گا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور آتش جہنم سے آزاد ہو کر داخلِ بہشت ہوگا" (صفحات ۸۲-۸۱) ماشاء اللہ سبحان اللہ

ہمارے ناصبی بھائیوں کو حیرت ہوگی کہ اس ماہ کی اتنی فضیلت تھی تو وہ عام مسلمانوں کو کیوں نہ بتائی گئی۔ کہ وہ بھی سمندر کے جھاگ برابر نہ سہی نالی کے جھاگ برابر گناہ کر لیتے۔ اور صحرا کی ریگ کی تعداد میں نہ ہوتا تو سڑک کی ریگ کی تعداد میں گناہوں کو معاف کروا لیتے۔ مگر افسوس ان کو گناہ کرنے سے رُوکا جاتا رہا ہے اور باطنی بھائیوں کو گناہ کی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظلم کیوں کیا۔ فرمایا۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًّا یرہ۔ یعنی اگر ذرہ بھر بھی گناہ کروگے تو اس کو بھگتوگے۔

تو بھائی ناصبیو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ فضائل صرف باطنی بھائیوں کے لئے ہیں جن کے استاد امام غزالی صاحب تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ رجب کا پہلا ہفتہ کیوں اہم ہے دُوسرے کی کیا خصوصیت ہے، تیسرے کی کیا اہمیت ہے اور چوتھے ہفتے کو سب پر فضیلت کیوں ہے؟ اور نیز یہ کہ ان دنوں میں یہ دُعا کیوں پڑھنی چاہئیے۔

"تکلف عنی کل باغ۔ ونکبت لی کل عدو لی وحاسد ومنع منی کل ظلم وتکفی کل عایق"۔

(ترجمہ) اے مولا علی اس مہینے میں ہمیں تیرے باغوں سے نجات ملی، تیرے حاسدوں اور دُشمنوں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ ہم ظالموں کے ظلم سے مامون ہوگئے اور اُمید ہے کہ اسی طرح جلدی تجھے چھوڑنے والے ناصبیوں سے بھی ہمیں نجات مل جائے گی۔ اس لئے ہم خوشیاں منا رہے ہیں شکرانے پڑھ رہے ہیں، حلوہ پُوری کھا رہے ہیں۔ اور دُوستوں کو کھلا رہے ہیں اور سب مل کر عید منا رہے ہیں۔ ہر چند یہ سب کچھ پس پردہ کرنا پڑ رہا ہے۔ یعنی رات کو پکایا، بند کمرے میں کھلایا اور دیکھتے رہے کہ کوئی ناصبی نہ آجائے کہ اُس خوشی کی وجہ پُوچھ بیٹھے اور حکومت سے شکایت کردے۔

اور لُطف کی بات تو یہ ہے کہ ہم نے چھُپ چھُپ کر عید مناتے مناتے سینکڑوں ناصبیوں اور خارجیوں کو بھی اپنی روایتوں اور حدیثوں کے ذریعہ اسی طرح چھُپ کر عید منانا سکھا دیا۔ اور ان سے بھی کونڈے بھروا دیئے جو اپنے پانچویں خلیفہ خال المسلمین کاتبِ وحی امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا دم بھرتے تھے۔

ان احمقوں کو کون بتلائے کہ یہ ساری خوشیاں اور سارے فضائل تو اسی کے

مرنے پر منائے جا رہے ہیں۔ اس نے علیؓ اور علیؓ کے پوجنے والوں کا ناطقہ تنگ کر رکھا تھا۔ ہم ان کی موت کی خوشی سارے ماہ رجب میں مناتے ہیں اور سنی صرف ۲۲ رجب یعنی اُن کے یومِ وفات پر کونڈے بھرتے اور کھاتے کھلاتے ہیں اور اسے امام جعفر کی فاتحہ جانتے ہیں۔

ناظرین آپ نے دیکھا کہ یومِ وفات حضرت معاویہؓ کس شان سے منایا جاتا ہے اور شیعہ سنّی دونوں اس میں کس طرح شریک ہو گئے ہیں۔ ایک محض سنی سنائی پر اور دوسرا جان بوجھ کر ہمارا مولوی باطنیوں کی روایتیں چرا لاتا ہے اور خالص اسلامی عقائد کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا دیتا ہے اور مسلمان اُسے سچ سمجھ لیتے ہیں بلکہ ایمان لے آتے ہیں۔ اقبال نے اسی لئے کہا ہے۔

شکل میں تم ہو نصاریٰ تو عقائد میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عیدِ غدیر

یہ سچ ہے کہ اُس عید کو عام مسلمانوں نے قبول نہیں کیا اور نہ ہمارے باطنی بھائی اُس میں کسی کو شریک کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو محرّم کی مجلسوں میں سُنّی دوستوں کو گھسیٹتے رہتے ہیں اُس موقعہ پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں چنانچہ مؤلف تحفۃ العوام مقبول کو بھی اُس کا قلق ہے۔ فرماتے ہیں۔

فصل تیسری فضیلت عیدِ غدیر میں۔ اور وہ اٹھارہویں (۱۸) ذوالحجہ کی ہے سب عیدوں سے عظیم تر ہے، یہ عید ہے تو تمام اہلِ اسلام کی مگر مذہب شیعہ حقہ کے حصّہ میں آئی ہے ۔اس کے فضائل حسب ذیل ہیں۔ (مختصراً نقل کئے جاتے ہیں)

۱۔ اس روز خُدائے عز وجل نے مسلمانوں کو اکمال دین کی خوشخبری دی ہے۔

۲۔ رسولِؐ خدا نے علیؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل اور جانشین کیا۔

۳۔ جنابِ امیر کی فضیلت تمام جہانوں پر ظاہر ہوئی۔

۴۔ جنابِ امام رضا سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ شیعانِ علی اور محبانِ اہلِ بیت کے چھوٹے گناہ تین روز تک نہ لکھو یعنی اٹھارہویں

سے بیسویں تاریخ ذوالحجہ تک بسبب کرامت محمّدؐ و علی و فاطمہ و ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام۔

۵۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کرو۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ ایسی بڑی نعمت پا کر مومن چھوٹے گناہ چھوڑ دیں۔ پس چاہیئے کہ اس روز کوئی گناہ آدمی نہ کرے۔ (صفحہ ۲۱۲)

واضح ہو کہ یہ کتاب بیسویں صدی کے تعلیم یافتہ دور کے لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی آسانی سے سمجھ لے اور عید منا سکے۔ مگر اس کی عبارت سُنّی مسلمان کی سمجھ سے بعید ہے جب تک وہ علومِ باطنی سے واقف نہ ہو لہٰذا آئیے علمِ باطنی کی روشنی میں ان رموز کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

۱۔ فقرہ ۴ میں ہے کہ حق تعالیٰ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ تین دن تک شیعوں کو عید غدیر منانے اور گناہ کرنے دو ان کو اعمال ناموں میں نہ لکھو۔

۲۔ فقرہ ۵ میں ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ چھوٹے گناہ نہ کرو۔ ایسی بڑی نعمت پا کر یعنی تین دن کی چھوٹ ملنے پر بھی اگر چھوٹے گناہ کئے تو تمہاری کم حوصلگی ہوگی۔ بلکہ معلوم ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رعایت سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے اور ناشکری کرتے ہو۔ اگر فرشتے چھوٹے گناہ نہیں لکھتے تو ایسے گناہوں سے کیا فائدہ جو شمار ہی نہ ہوں، لکھے نہ جائیں۔ میاں گناہ کرو تو ایسے کرو کہ جنہیں معاف کرتے خدا کی شانِ کریمی کا امتحان ہو جائے اور وہ گناہ آپ کو سلطان مرزا نے میراثِ بابل کے تحت تبلا دیئے ہیں یعنی قرعہ ڈالو چراغ بجھا دو اور جشن مناؤ۔ کہ یاد بھی رہیں اور ان کی روح بھی خوش ہو جن کی یہ سُنّت ہے۔

اب فقرات ۱ تا ۳ پر غور فرمایئے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے دین کے مکمل ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ رسولؐ نے علیؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر کیا ہے اور جناب امیر کی فضیلت سارے جہان پر ظاہر ہوئی یعنی ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کے دن یہ سب کچھ ہوا۔

جی ہاں ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو سبائی باغیوں نے خلیفہ مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کر ڈالا۔ تین دن تک لاش پڑی سڑتی رہی۔ کسی مومن و مسلمان کو کفن و دفن کی جرأت نہ ہوئی۔ خلیفہ بلا فصل بھی گھر سے نہ نکلے حالانکہ ہرمزان کا جنازہ

بڑی شان سے نکالا تھا۔ پھر خلافت حضرت عثمؓ کو مِل گئی۔ اور اِس کی اطلاع سارے عالمِ اِسلام کو کردی گئی کہ شیعوں نے حضرت علیؓ کو ان کا حق دلادیا اور اُنہیں خلیفہ بلافصل بنادیا ہے۔ یہ عید مُسلمانوں کی بقرعید کے آٹھ دن بعد منائی جاتی ہے۔ اِس لئے اس متبرک عید میں اگر خُدا چھوٹے گناہوں کی چھُوٹ دے تو یہ اُسکی خست ہے۔ مزہ تو جبھی ہے کہ بڑے گناہوں کی بھی پُرسش نہ کرے۔ جیسے خُدائے شرنے ملکۂ اشطوراور شہنشاہ عوزی رُس کو دے رکھی تھی جس کا ذکر ہمارے کِسی سوسال پُرانے بزرگ نے اُس طرح فرمایا ہے

جب زنا سو بار ماں سے تُو کرے — جنّتُ الفردوس پھر تُجھ کو مِلے ،
پھر خطا اِس سے زیادہ کون ہے — جس کے کرنے سے تو دوزخ میں پڑے
دین و تقویٰ کیا تجھے درکار ہے۔ محرق الاشرار

عیدِ آخری چہار شنبہ

یہ بھی مُسلمانوں کی بڑی عید ہے۔ مگر مُسلمان اُسے بھُولتے جارہے ہیں۔ ہمارے ایک باطنی بزرگ نے اخبار حریت کے ذریعہ محفل چہار شنبہ قائم کرکے پھر اِس کی یاد تازہ کردی ہے۔ مُمکن ہے چند روز میں پھر اِسی شان سے منائی جانے لگے۔ جیسے غالب کے زمانے میں مناتے تھے۔

ہے چار شنبۂ آخر ماہ صفر چلو ، — رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مُشک بُو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست — سبزے کو روندتا پھرے پھُولوں کو جائے پھاند

ہماری اِسلامی روایتوں میں غالباً پردہ پوشی کے لئے عمداً تھوڑی سی اُلٹ پھیر کردی گئی ہے۔ کراماتِ اَولیاء (صفحہ ۲۴) میں لکھا ہے کہ ذوالحجہ کے آخری بدھ کے دن دُو رکعت نفل پڑھے۔ بعد فاتحہ تین تین بار یہ سورتیں پڑھے۔ سورہ اخلاص قل اعوذ برب الناس۔ قل اعوذ برب الفلق انشاء اللہ کرم پروردگار کا نزول ہوگا اور تمام سال زندگی عیش و آرام میں گذرے گی۔ پھر (صفحہ ۸۲) مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دُو رکعت نماز ماہ صفر کے آخری بدھ (چہار شنبہ) کو پڑھا کرتے تھے۔ لیکن دراصل یہ ماہ ذی الحجہ کے آخری چہار شنبے کا جشن ہے۔ اور ساری

دُنیائے اِسلام میں منایا جاتا رہا ہے۔ سوائے اِن گھرانوں کے جو ناصبی، وہابی یا خارجی مشہور ہوگئے ہوں۔ اِن کو معلوم نہیں کہ یہ خوشیاں کس بات کی ہیں۔ عوام سے کہا جاتا ہے کہ رسُول اللہ نے اِس دن غسلِ صحت فرمایا تھا۔ لیکن پُوچھا جائے کہ یہ بیماری کونسی تھی جس کا غسلِ صحت فرمایا تھا، تو جواب نہیں دیتے۔

آیئے آپ کو بتلائیں کہ ماہ ذی الحجہ کا آخری بدھ (چہار شنبہ) اِسلامی دُنیا میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اُسے محمد حسین ہیکل مصری مورخ کی زبانی سُنیئے:۔

"حضرت عمرؓ پر کس دن حملہ ہوا اور کس دن وہ فوت ہوئے روایات اِس سلسلے میں مختلف ہیں۔ ایک روایت کہتی ہے کہ وہ بدھ کے دن زخمی ہوئے اور جمعرات کے دن، ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو دفن ہوئے۔"

"دُوسری روایت میں بدھ کے دن اُن پر حملہ ہوا اور اتوار کے دن یکم محرّم الحرام ۲۴ ہجری کی صبح اِن کی تدفین ہوئی"

"تیسری روایت ہے کہ ۲۶ ذی الحجہ کو وفات پائی اور وہ بدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔" اِن کے علاوہ بھی روایتیں ہیں جن میں اِن کی تاریخ وفات ۱۸ یا ۱۰ محرّم ۲۴ سنہ ہجری بیان کی گئی ہے۔"

"اور ایک روایت میں ۲۷ صفر ۲۴ سنہ ھ کو حضرت عُمرؓ کا یومِ وفات بتلایا گیا ہے۔"

غالباً ناظرین کو اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ آخری چہار شنبہ کے جشن کی کیا اہمیت ہے، یعنی اِس دن ہمارے ناصبِ اول سیدنا عُمر فاروقؓ پر باطنی بزرگ فیروز المعروف ابولولو کا بھرپور ہاتھ پڑا۔ یعنی اصل خوشی ذی الحجہ کے آخری بدھ کی یہ ہے کہ اُس دن بابا شجاع نے ہرمزان جفینہ، سلمان فارسی اور کعب احبار یہُودی کی ملی بھگت سے اِسلام کے سب سے بڑے اولوالعزم اور باجبروت خلیفہ کے پیٹ میں چھری گھونپ کر اِسلام کی بنیادیں ہلادیں۔

اور ۲۷ صفر کا بدھ (چہار شنبہ) اگر کوئی اہمیت رکھتا ہے تو اِس قدر کہ شیعہ روایتوں سے یہ تاریخ رسُول اللہ کے بیمار ہونے کی ہے نہ کہ غسلِ صحت کی۔ اِس لئے ہمارے باطنی

بھائی اِس دن خوشی مناتے ہیں کہ دورِ ستر اختتام کو پہنچا اور دورِ فترت کا آغاز ہو گیا یعنی باطنی اسلام کے پھیلانے کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ جس کا عقیدہ ہے کہ مطلعِ امامت مقطعِ نبوّت ہے یعنی امامت نے طلوع کیا اور نبوّت کا چراغ گُل ہو گیا۔ چنانچہ ۱۲ ربیع الاول یومِ وفات النبیؐ کی خوشیاں اُسی سے متعلق ہیں۔ اور ۲۷ صفر جو کہ آپؐ کے مرض الموت لاحق ہونے کا دن ہے وہ بھی یومِ جشن قرار دیا گیا ہے۔

عیدِ میلاد

میلاد، مولود اور تولید کا مصدر ولادت ہے جس کے معنی ہیں بچہ پیدا کرنا۔ تمام دُنیا کی قومیں اپنے مذہبی پیشواؤں کے ایامِ وفات و ولادت کو یاد رکھتی ہیں۔ اُن کو شایانِ شان طریقوں سے مناتی ہیں۔ ہندو دسہرا اور عیسائی کرسمس مناتے ہیں۔ مگر وہ تاریخیں محض مفروضہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ قائدِ اعظم کا یومِ پیدائش بھی کوئی نہیں جانتا۔ اور خود مجھے اپنی تاریخ پیدائش نہیں معلوم۔ یہ حال اُس دور کا ہے جب انگریزوں نے گھر گھر کیلنڈر، ڈائریاں اور جنتریاں پہنچا دی تھیں، اور میونسپلٹیاں کھول دی تھیں جو پیدائش و وفات کی تاریخیں لکھتے رہتے ہیں۔ مگر صدیوں پہلے بچوں کی پیدائش کا صحیح اندراج کہاں ہوتا تھا۔ اور کون جانتا تھا کہ کون بچہ بڑا ہو کر کیا بنے گا۔ چنانچہ رسُولِ مقبول کا یومِ ولادت معلوم نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ایامِ جاہلیہ میں وہاں کوئی لکھا پڑھا موجود نہ تھا۔ اِسی وجہ سے سمجھدار مولوی اُس جلسے کو یومِ میلاد، مولود یا ولادت کی جگہ جلسہ سیرت کہنے لگے ہیں جو درست ہے کیونکہ یہ دن آپؐ کی وفات کا ہے۔ اور یومِ وفات کے موقعہ پر ولادت کی خوشیاں منانا مناسب نہیں ہوتا۔ تاہم ۱۲ ربیع الاول کو روزِ جشن کیوں قرار دیا گیا ہے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اِس کی وجہ آپ مرزا غالب سے سُنیئے۔ مرزا غالب اپنے دوست اور مربی علاؤالدین احمد خان علائی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں

"میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیاء واجب التعظیم اور مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوّت ختم ہوئی، مقطعِ نبوّت کا مطلعِ امامت اور امامت نہ اجماعی

بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السّلام ہے۔ ثم حسن ثم حسین اِسی طرح تا مہدی موعود علیہ السّلام۔ ۱۲ مُنہ۔ بریں زیستم۔ بریں بگزرم۔ (خطوطِ غالب ص ۔)

پتہ نہیں علائی صاحب یہ مضمون سمجھتے تھے یا نہیں۔ شیعہ ہوں گے تو ضرور سمجھتے ہوں گے کہ۔

۱۔ مومن کامل زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے مگر دل سے جانتا ہے کہ لاموجود الا اللہ یعنی الا اللہ قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

۲۔ مقطعِ نبوّت کا مطلعِ امامت ہے کا مطلب صاف ہے کہ نبوّت کے ختم ہونے کے بعد امامت نے اِس کی جگہ لے لی یعنی امامت خاتمِ نبوت ہے جس نے نبوّت کو ختم کر دیا تھا۔

پس لازم آیا کہ نبیؐ کے یومِ وفات پر امامت کے طلوع ہونے کا جشن منایا جائے اور منایا جا رہا ہے۔ سادہ لوح سُنیّوں سے کہدیا گیا کہ رسُول کا یومِ ولادت بھی یہی تھا اور اُنہوں نے تسلیم کر لیا۔ اِس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ یومِ وفات کا سوگ منانے سے بہتر ہے کہ ولادت کا جشن منایا جائے۔ چنانچہ اب کراچی میں یہ جشن اُسطرح منایا جاتا ہے کہ اِس نے محرّم کے جلوسوں کو پیچھے ڈال دیا ہے۔

اب یہی روایتیں ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں اور ہر سال ہمارے ایمان کو تازہ کرنے کے لئے سُنائی جاتی ہیں۔ افسوس مُسلمان اپنے رسُولؐ کے یومِ رحلت کو برسی منانے کے بجائے یومِ ولادت کہکر اِس دن خوشیاں مناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔ مگر ۱۱ ستمبر کو جو قائدِ اعظم کا یومِ وفات ہے کوئی شادی رچا دے تو اسکی جان کو آجائیں بلکہ پنڈال میں آگ لگا دیں۔

عیدِ عاشورہ

عاشورہ کی تحقیق مُشکل ہے۔ لُغات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عشرہ سے مشتق ہے اور کسی دس روزہ تہوار کی نشاندہی کرتا ہے مگر یہ غلط ہے۔ ہماری روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ عبّاسؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ پوچھا تو معلوم

ہوا کہ اس دن موسیٰ فرعون پر غالب آئے تھے۔ آپ نے اپنے اصحابؓ سے کہا تم موسیٰ کے یہودیوں سے زیادہ حق دار ہو (بخاری)

غالباً امام بخاری علومِ باطنی سے نابلد نہ تھے۔ عبداللہ بن عباس کی کوئی روایت کے ذریعہ انہوں نے رسول اللہ پر اتہام لگا دیا کہ وہ جو کچھ یہود و نصاریٰ کو کرتے دیکھتے تھے، کرنے لگتے تھے۔ اور اسی کو اسلام کا نام دیدیتے تھے۔ منافقین و کفار بھی یہی کہتے رہے ہیں۔ مگر قرآن نے ایسے مفسدانہ الزامات سے رسولؐ کو بری کردیا ہے۔

قرآن نے رسولؐ سے کہا یہودی سنیچر کو یوم سبت مناتے ہیں اور چھٹی کرتے ہیں تم جمعہ کو خاص اجتماع کیا کرو۔ یہود و نصاریٰ بیت المقدس کا سجدہ کرتے ہیں تم کعبہ کا کرو اور یہ دونوں حکم جاننے والا رسولؐ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ میری اُمّت موسیٰ کی سُنّت کی زیادہ حقدار ہے۔ بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ عاشورے کا روزہ بطور سُنّت موسیٰ شروع کیا گیا تھا۔ تو معلوم کرنا پڑے گا کہ موسیٰ نے اس دن روزہ رکھنے کی کیا وجہ بتائی تھی۔ اور یہودی کیوں روزہ رکھتے تھے؟

مذکورہ حدیث میں ہے کہ اس روز موسیٰ کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا۔ جو محض غلط ہے۔ اُن پر فرعون کی دہشت تو کچھ اُس طرح طاری تھی کہ لاکھوں بچوں اور بوڑھوں کو لیکر دریا میں کود پڑے اور جب معلوم ہوا کہ فرعون مرچکا ہے تب بھی مصر جانے کی ہمت نہ کرسکے۔ اُسے غلبہ کہنا محض کوئی صنعت ہے۔ اگر یوم نجات کہتے تو بات بن جاتی۔ کیونکہ انجیل مقدس میں اس کا نام ایکسوڈس (EXODUS) بتلایا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ فرار ہوسکتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ موسیٰ مع قوم کے بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ انجیل میں دیکھا تو معلوم ہوا یہودی اس یومِ نجات کی خوشیاں سات دن مناتے تھے اور شکرانہ ادا کرتے تھے۔ اِن دنوں میں بے خمیری روٹیاں کھاتے تھے۔ مگر روزہ رکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔

اِس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ یہودی روزہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسری یہ کہ یہ سات دن کا تیوہار تھا۔ دس دن کا نہ تھا۔ اِس لئے اِس کا نام عاشورہ

نہیں ہوسکتا، سباعیہ ہونا چاہیئے۔ یقیناً ہمارے باطنی بھائیوں نے ۶۰ ہجری کے کربلائی واقعہ کی تقدیس بڑھانے کے لئے یہ بے پر کی روایت رسولؐ سے منسوب کردی ہے۔ اور اپنے آشورہ کو عاشورہ بنا دیا ہے۔

چنانچہ اِس عاشورہ کی تلاش میں انجیل مقدس کا حسبِ ذیل اقتباس "لائف میگزین" کے اپریل، ۱۹۶۶ء کے شمارے سے مل گیا، جو فاتحین گھس آئے کے عنوان سے لکھا ہے۔

"یہودیوں کی اندرونی پھوٹ کا مداوا کرنے کے لئے تاریخ انتظار نہ کرسکی۔ انجیل کے باب بادشاہ اور اُن کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شمال میں آسیریوں (عاشوریوں) کی خطرناک قوت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ عاشور ناصر پال اور اس کے جانشینوں نے اس زمانے کی سب سے خطرناک جنگی مشینری تیار کرلی جو ظلم و جور کا بدترین نمونہ کہلائی جاسکتی تھی۔ جس کے بارے میں کتبے موجود ہیں۔

"بلند پہاڑیوں کے درمیان میں نے انہیں ذبح کر ڈالا۔ عاشور ناصر پال نے لکھا ان کے خون سے میں نے پہاڑوں کو دیواروں کی طرح پوت دیا۔ میں نے وادیاں اور چوٹیاں سیاہ کردیں۔ اِن کے نوجوانوں اور نوخیز لڑکیوں کو میں نے آگ میں جلا دیا۔ اِس عذابِ الٰہی کو سر پر دیکھ کر لڑاکا یہودی اپنی الم انگیز منزل کی طرف بھاگے اور اقصائے عالم میں منتشر ہوگئے۔

بائرن لکھتا ہے کہ "۷۲۲ قبل مسیح میں عاشوری، پہاڑوں سے اُترے اور یہودیوں پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے بھیڑیئے بکریوں پر جھپٹتے ہیں اور بنی اسرائیل کو ختم کردیا۔ دو لاکھ قیدی پکڑے گئے اور اُن کو غلام بنا لیا۔"

حاران اُرا (عاشور دریائے دجلہ پر اِس وقت بابلی تہذیب کے بڑے شہر تھے۔ یہودی یہاں تجارت کرنے آتے رہتے تھے۔ اُن کو بابلی زبان میں اپیرو کہا جاتا تھا۔ یعنی ننگے پاؤں پھرنے والے خانہ بدوش۔ یہی لفظ بعد کو ہبرو اور عبریا عبرانی بن گیا۔

بچے کھچے یہودی بھاگ کر بابلیوں کے علاقے میں پناہ گزیں ہوئے اور آباد ہوگئے حبقوک نبی نے اپنی اِس مصیبت کا ذکر اِس طرح کیا ہے۔ عاشوری گویا اللہ کا قہر اور عذاب تھے

اُن کے گھوڑے بھیڑیوں سے زیادہ تیز تھے۔ وہ اپنے غلاموں کو ریت کے ڈھیر کی طرح سمیٹتے تھے بادشاہوں کو ذلیل کرتے اور سرداروں کا تمسخر اڑاتے تھے۔ ہماری فصیلوں پر وہ ہنستے تھے اُنکے گرد ریت جمع کرکے شہروں میں کود آتے اور فتح کر لیتے۔ پھر بادِ سموم کی طرح جھاڑ دیکر واپس ہو جاتے یہ بدکار ظالم صرف اپنی قوت کو خدا سمجھتے تھے یہودی ان کی غلامی میں ۵۹ سال رہے؟

چند سال بعد معلوم ہوتا ہے کہ بابلیوں نے بھی ان کو غلام بنالیا اور مظالم کرنے لگے۔ مگر اس دور کو اُنہوں نے اللہ کو یاد کرکے گزارا اور اُمید رکھی کہ ایکدن اُس غلامی سے نجات ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک اجنبی آیا اور اس نے نجات دلادی۔ ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل پر حملہ کر دیا۔ اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے کتبہ لکھوایا۔ خدائے بزرگ یعنی آسمانوں کے بادشاہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یروشلم میں ایک مقدس گھر بنادوں۔ تم میں سے جو کوئی وہاں جانا چاہے جاکر آباد ہو جائے۔

یہ زمانہ ۵۳۹ قبل مسیح کا ہے۔ چنانچہ عذرا نبی کی سرکردگی میں یہودی خوشی خوشی پھر اپنے وطن واپس آئے اور بس گئے۔ اُس وقت سے آج تک یہودی اپنی قوم کی اِس سزا کو یاد کرتے اور روتے ہیں۔ اور عاشور ناصر پال کی جان کو دعائیں دیتے ہیں خاص کر بیت المقدس میں دیوار گریہ کے پاس دس دن تک رونا بے حد ثواب سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے باطنی بھائیوں نے اہل شام کے اِن مظالم کی تمثیل اسلام میں شامل کرنے کیلئے یزید کو عاشور ثانی قرار دیدیا اور وہ ساری روایتیں، اشعار اور انجیل کی آیتیں اس سانحہ پر چسپاں کرکے ایک اسلامی دیو مالا تیار کرلی۔

شارٹ ان سائیکلو پیڈیا آف اسلام مطبوعہ لوزیک اینڈ کولندن میں گبس لکھتا ہے۔

"عاشورہ یا آشورہ کو مسلمانوں نے خلط ملط کر لیا ہے۔ آشورہ مغرب و مراکش میں ایک عید کا تہوار تھا جس میں چراغاں اور آتش بازی کے تماشے ہوتے تھے۔ آگ کے ایک الاؤ کے گرد لوگ ناچتے اور ایک دوسرے پر پانی کیچڑ اور رنگ پھینکتے۔ یہ لوگ ہاتھوں میں ہری شاخیں لیکر ناچتے اور آخر میں ایک جنازہ نکالتے جس کے پیچھے مرد اور عورتیں ماتم کرتے نکلتے تھے۔ مرد عموماً پھٹے کپڑے پہنے ہوتے اور بعض جانوروں کی کھالیں ڈال لیتے تھے

عاشورہ اہلِ مغرب کے لئے دراصل پرانے سال کا سوگ اور نئے سال کی مسرتوں کا ایک جشن تھا۔ اس میں غم اور خوشی کا ساتھ ساتھ مظاہرہ کیا جاتا تھا"۔

آگے لکھتا ہے، شیعہ فرقے نے اُنہی رسموں کو جو پہلے شمسی سال کے حساب سے موسم بہار میں منائی جاتی تھیں ہلالی وقمری سال کے شروع (ماہ محرّم) میں منانا شروع کر دیا۔ اور اس کا تعلق حسینؓ کے واقعہ کربلا سے کر دیا۔ ورنہ آشورہ عربی لفظ نہیں ہے یہ ارامی لفظ ہے جس کے معنی عظیم یوم نجات ہیں۔

یعنی ہماری تحقیق کی توثیق ہوگئی۔ یہ دس دن یہودیوں کے لئے سوگ کے دن تھے۔ اِن میں عاشور ناصر پال شامی بادشاہ کے مظالم کو یاد کرکے رویا جاتا تھا اتفاق سے یزیدؒ بھی شام کا والی تھا۔ بس موقعہ مل گیا۔ وہ ساری کہانیاں قصے اُنہوں نے اس کے سر تھوپ دیئے۔ یہودی آج تک یہ دس دن کا تہوار مناتے ہیں فلسطین میں دیوار گریہ بھی موجود ہے جس کے گرد جمع ہو کر صدیوں سے یہ سوگ منایا جا رہا ہے مسلمانوں کو تہذیب بابل ورثے میں ملی تو اس کے ہیرو اور ویلین کے نام بدل ڈالے گئے۔ مگر سوانگ سب وہی ہے۔ اور عوام جاننے سے عاری ہیں کہ یہ سوگ ہے یا سوانگ۔ ہمارے ایک بزرگ نے سو سال پہلے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا تھا۔

تعزیوں پر بھی لیلی ہے ماجرا	بلکہ اِن پر دھوم ہے اس سے سوا
وقت شب ہے ساتھ ہیں سب آشنا	ہاتھ پکڑا چٹ سے بوسہ لے لیا

شہوت افزا کوچہ و بازار ہیں (مارق الاشرار، شیخ فتح اللہ)

متعلقات عاشورہ

عاشورہ جیسا کہ ہم نے ابھی بتلایا ہے، دراصل آشوریہ سے متعلق ہے۔ آشوریہ عجمیوں کا نام ہے جس کے معنی ہیں سورج کو پوجنے والوں کا دیس۔ سنسکرت میں اس قوم کو آسر کہا گیا ہے۔ اب صرف شام کے علاقے کو اسیریا یا سیریا کہا جاتا ہے۔ مگر نقشے میں عراق بھی آشوریہ تھا، محرّم میں دراصل حضرت حسین کا نہیں بلکہ اِس آتش پرست قوم کی تباہی کا سوگ منایا جاتا ہے جسے ۱۶ھ میں خلیفہ اسلام سیدنا عمر بن خطاب نے تہس نہس کرکے اسکی ساری نسلی برتری

کا زخم ختم کر دیا تھا۔

علم چنانچہ اِس علَم کو دیکھئے جو مُحرّم میں نکالتے ہیں جس پر چاندی یا کسی دھات کا پنجہ لگا ہوتا ہے۔ اور پرچم کے لئے سیاہ کپڑا مچھلی یا مشک کی شکل کا پھرپھرا تا رہتا ہے۔ کیا یہ حُسینی عَلَم ہے؟ جی نہیں، یہ درفش کا ویانی کا نمُونہ ہے۔ مرزا غالب اِس عَلَم کے بارے میں نوحہ خواں ہیں۔

حب خلیفۂ ثانی کے عہد میں یزدگرد مارا گیا اور اِس پر اعراب (یہاں حقارتاً عربوں کو اعراب لکھا گیا ہے جس کے معنیٰ اُجڈ بدّو کے ہیں) مُسلط ہوئے۔ درفش کا ویانی کا جواہر آمیز جھنڈا پارہ پارہ ہو کر غازیانِ اسلام پر بٹ گیا (ہائے دل ٹوٹ جاتا ہے) کتاب خانے پارس کے کیا بادشاہی کیا رعایا کے چولھے میں جھونکے گئے یعنی اِن سے حمام گرم ہوئے۔

(خطوطِ غالب ۵۹)

یہ ہے اِس عَلَم کی اہمیت جو لوہار کی دھونکنی سے بنا تھا جواب حضرت عبّاس کا علَم کہلاتا ہے۔ وہ بھی اِس لئے کہ عبّاس کے معنیٰ شیر کے ہیں اور وہ شیر کون ہے آپ کو معلوم ہے۔

دُلدُل وہ گھوڑا جو مُحرّم میں سجا کر نکالا جاتا ہے اِس پر خُون کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں اور پیٹھ پر ایک بچہ نصب کیا جاتا ہے۔ جو پنجتن کی نمائندگی کرتا ہے۔ نہ کہ کسی کے کٹے ہوئے ہاتھ کی۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ دُلدُل رسُول اللہ کی سواری میں رہا تھا۔ جو محض جھُوٹ ہے۔ اِن کا وصال ۱۱ھ میں ہوا۔ کربلا کا واقعہ ۶۰ھ میں پیش آیا۔ گھڑسوار جانتے ہیں کہ گھوڑا پچاس سال نہیں جیتا اور جیئے تو اس کا حال بقول سودا یہ ہو جاتا ہے کہ

آگے سے توبڑا اُسے دکھلائے گا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے گا لاٹھی سے مار مار،

تو حضرت حسین ایسے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلنے سے رہے۔ پھر تو تعینا کر ئی اور گھوڑا ہے جس کا سوار غائب ہے اور قوم سوار کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔ گزشتہ صفحات میں

آپ نے پڑھا ہے کہ نمرُود بابل سے بھاگ گیا۔ چند روز بعد اُس کا گھوڑا واپس آ گیا۔ لوگ جا کر گھوڑے سے لپٹ گئے اور دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔ نمرُود کی ماں نے تبلایا کہ وہ ایک رات کو خاموشی سے واپس آجائے گا تم انتظار کرو۔ چنانچہ لوگ سال بہ سال اُس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے اور گھوڑے کو گلی گلی گھماتے رہے۔ یہی آج تک کر رہے ہیں۔ یونانی اِس گھوڑے کو یونی کارن کہتے تھے۔ ہندُو ویدوں میں اِس کا نام اچی شیرو لکھا ہے۔ اور ہم اُسے دُلدُل کہتے ہیں۔

تعزیہ تیلیوں اور کاغذ کا بنا ہوا مقبرہ جسے تعزیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت حسین کا خیمہ تو کسی طرح معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ یہ یونان کے اولو دیوتا کا محل ضرور معلوم ہوتا ہے جو الپس کی برف پوش چوٹی پر ہے یا اندر دیوتا کا محل ہو جو کوہ قاف میں ہے جہاں پریاں ناچتی ہیں۔ وہاں سے آنے جانے کیلئے اندر دیوتا کے پاس اڑنے والا گھوڑا بھی ہے جس کا رنگ سبز ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں نے کبھی اِس تعزیہ کو اہمیت نہ دی۔ ہمارے کسی بزرگ نے



آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اِس طرح طبع آزمائی کی تھی ۔ ؎

تعزیہ بھی خوب ہے زینت بھرا — فرش ہے اور روشنی ہے جا بجا
سجدہ ہے تعظیم ہے گویا ہے خدا — بعد دس دن کے اُسے ٹکڑے کیا
جس پہ خلقت نے کہا دُھتکا ہے — یعنی تُم کیسے ہو مردم بے ایماں
توڑ ڈالا اپنا معبود الاماں — (محرّق الاشرار)

بُراق

کہتے ہیں عجمیوں نے بُراق دیکھا ہے اور اسکی تصویر اُتاری ہے ۔ کسی نائی کی دکان پر جایئے ۔ ایک پردار گھوڑی کی تصویر ٹنگی ہوگی ۔ جس کا چہرہ دختِ فراسیاب کی طرح حسین ہے ۔ دُم کے مقام پر مور کے پر پیوست ہو نگے اور وہ فضا میں اُڑ رہی ہے ۔ اِسلام میں تصویر کشی حرام ہے ۔ اور وہ بھی عورت کی تصویر ۔ پھر بُراق کی تصویر مُسلمانوں نے کیوں قبُول کر لی ۔ احتجاج کیوں نہیں کرتے ۔ اِس تصویر کے ماخذ کو سمجھانے کے لئے ہم نے اولمپس کے گرد اڑنے والا گھوڑا اور اپولو دیوتا کا محل پیش کیا ہے ۔

تیسرے باب میں آپ عجمیوں کے پت یون کو دیکھ چکے ہیں جو اُڑنے والے بیل یا سانڈ کی شکل میں پُوجا جاتا تھا ۔ مگر مُسلمانوں کو اُڑنے والی گھوڑی دی گئی ہے ۔ نہ جانے کیوں ۔ اِس پر جل کر ہمارے ایک بزرگ فتح اللہ مرحُوم نے طبع آزمائی فرمائی تھی ۔ ؎

دُوستو بُت خانے میں ہوتا ہے کیا — غیر تصویرات مخلُوقِ خُدا
تعزیہ خانے میں ہے پھر کیا دھرا — وہ ہے بُت خانہ بُراق اس کا گدھا
راکب ایک دجال خر بردار ہے
یعنی راکب صُورت دجال ہے — اور سواری کو گدھا چنڈال ہے
مورچھل شیطاں لئے دنبال ہے — اسکی خدمت میں بہت خوشحال ہے
وائے اِس دانش پہ او رپھٹکار ہے

فضائلِ درود و فاتحہ

نماز یا صلوٰۃ

قرآن میں اِسلامی عبادت کا نام صلوٰۃ ہے ۔ مگر آپ نماز پڑھتے ہیں اور صلات کو نہیں جانتے عجمیوں نے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کر دیا تھا ۔ تاکہ عجمیوں اور عربوں میں اختلاف پیدا ہو جائے ۔ مگر ہم صلات کا ترجمہ پُوجا کر دیں تو آپ کو غصہ آ جائے گا ۔ حالانکہ پُوجا اور نماز ہم معنیٰ الفاظ ہیں ۔

ظاہر ہے کہ پُوجا وہ عبادت ہے جو کسی بُت یا جانور کو خُدا سمجھ کر عاجزی سے جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر ادا کی جاتی ہے یا پھر برہمن یا پنڈت کو بُلا کر اِس سے کچھ جنتر منتر پڑھوایا جاتا ہے جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتا سُن لینے سے ثواب سب کو پہنچ جاتا ہے ۔ پس برہمن کو دکشنا دیتے اور اُس کے پاؤں چھوتے ہیں کہ وہ پُوجا یا نماز کر جائے ۔

صلات وہ عبادت ہے جو ہر اِنسان کو بلا واسطہ ، بلا وسیلہ اور بالراست اپنے مالک ، پالنے والے ، اور پیدا کرنے والے اللہ کے حضور کھڑا کر دیتی ہے ۔ اور اجازت دیتی ہے کہ بندہ اپنے آقا سے جو چاہے مانگ لے ۔ جو درخواست کرنا چاہے اِس کے حضور پیش کر دے ۔ بلکہ یہ آقا تو ایسا ہے کہ اپنے بندے کا حال بلا کہے بھی جان جاتا ہے ۔ صرف اِس کے حضور کھڑے ہونے کا ارادہ شرط ہے ۔ یعنی پورے یقین کے ساتھ کسی کونے میں مصلیٰ بچھا کر کھڑا ہو کر یا

مسجد میں حاضر ہو جائے۔ بلکہ سفر و حضر میں جہاں جس حال میں ہو اُس کی طرف توجہ کرے تو اُس کا مالک اُسے دیکھے گا۔ اور اُس کی معروضات سُنے گا۔

چنانچہ صلات ہی وہ عبادت تھی جس کی طرف مسلمان اللہ اکبر کی صدا سُنتے ہی دوڑ پڑتے تھے اور صف در صف کھڑے ہو جاتے تھے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔ اور ظاہر ہے اس دیوار سے ٹکرانا آسان کام نہ تھا پس عجمی اس صف بندی میں رخنے ڈالنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ چنانچہ جناب صف در کی معرفت مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کیا۔ کوئی شیعہ امامیہ بنا۔ کوئی باطنی اسماعیلیہ کوئی خارجی کوئی معتزلہ، جبریہ، قدریہ، کچھ صوفی بنے، کچھ قلندر، اور سب نے اپنی علیحدہ فقہ تیار کی، ہر فرقے کی نماز مختلف ہو گئی، کوئی ہاتھ باندھ کر کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے لگا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دُوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا حرام قرار پایا جو آج تک جاری ہے، وہابی کی مسجد میں بدعتی بریلوی نہیں جاتا اور بریلوی کی مسجد میں دیو بندی قدم نہیں رکھتا۔ اور بتلایا ہے کہ بریلوی اپنی مسجد میں محمدؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ لکھ کر انہی پنجتن کو سجدے کرتے اور پُوجتے ہیں۔

یہی افتراق پیدا کرنے کے لئے ان کے بزرگوں نے عمداً اور شرارتاً اللہ کو خُدا بنا دیا، صلات کو نماز کر دیا۔ صلوٰۃ الرسُول کو دُرود کہنے لگے، صوم کو روزہ کر دیا۔ اور جہاد کو اسلام سے خارج کر کے دم لیا۔ اور ان چیزوں کا اتنا چرچا کیا کہ مسلمان تلوار چھوڑ کر دُرود فاتحہ اور دُعاؤں میں لگ گیا اور بھُول گیا کہ دُنیا کی امامت اُسے سونپی گئی تھی۔ اب اس قوم کا حشر دیکھئے۔ ساری بہادری اس میں ہے کہ مُحرم میں یہ تلوار لے کر ناچتے پھریں۔ اور گاتے ہیں۔ ؎

ھائے میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ

مر گئے مرُدود نہ فاتحہ نہ دُرود

یہ مقولہ یا شاید حدیث شریف سُنتے ہی آپ کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ فاتحہ دُرود مرُدوں سے متعلق دُعائیں ہیں یا رسمیں ہیں جو مشرکین کے کریاکرم سوگ ماتم وغیرہ کے بدلے مُسلمانوں کو سکھائی گئی ہیں تاکہ وہ بھی اپنے بزرگوں کو بخشوالیں حالانکہ اسلام کو ایسے مراسم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ رسمیں خالص بابلی تہذیب سے لی ہوئی ہیں جنہیں ہمارے عجمی صُوفیوں نے اسلام میں شامل کر دیا ہے چنانچہ سندھ کے مشہور صُوفی جی ایم سید کو اعتراف ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب جیسا میں نے دیکھا میں لکھتے ہیں کہ ؎

ویدانت اور وحدت الوجود کا نظریہ

یہ دُونوں نام فی الحقیقت ایک ہی قسم کے نظریہ کے ہیں

بظاہر ان میں ایک اہلِ ہنود اور دُوسرا اہلِ اسلام (صُوفیت) کی فکر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا سے لیکر آج تک ہر مُلک اور ہر قوم کے حقیقت شناس افراد اس اعلیٰ نظریہ کی آبیاری کرتے آئے ہیں۔ اس عقیدے کے مُطابق روح اور مادہ دو جُدا جُدا وجُود نہ تھے۔ حقیقی وجود صرف ذاتِ الٰہی کا تھا۔ مادہ اور روح سب اسی ذاتِ حقیقی کے مظہر صفات ہیں۔ انسانوں اور جانداروں کی علیحدہ علیحدہ روحوں کی خلقت کا تصوّر فریب نظر ہے۔ ان کی حیثیت آفتاب الٰہی کی کرنوں جیسی، یا بحر حقیقت کے قطروں کی مثال ہے جن کا کوئی مفرد یا مجرد وجُود نہیں۔ سب منبع و مرکز واحد مطلق ہے۔ ص۳۳۔

سید صاحب نے بتلایا کہ وحدت الوجود یعنی "ہمہ اوست" کا تصوّر ہندو مقدس کتاب وید سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور آفتاب پرستوں کا یہ عقیدہ صحیح تھا کہ روح اور مادہ دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ مبدا نور آفتاب کی کرنوں کی طرح جو آفتاب سے لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پھُوٹتی اور پھر اپنے مرکز پر واپس پہنچ جاتی ہیں۔ یا جیسے پانی بھاپ بن کر اُٹھتا

ٹھنڈا ہو کر میدانوں اور پہاڑوں پر برستا ہے۔ اور کبھی برف اور کہیں اولے بھی بن جاتا ہے۔ مگر بالآخر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ اُسی سمندر سے جا ملتا ہے اُسی طرح روح اور مادہ بھی کوئی خاص وجود نہیں ہیں۔ بلکہ خُدا کی مختلف شکلیں ہیں جو کائنات کی مختلف چیزوں میں مختلف انداز سے جلوہ نما ہوتی ہیں۔ اور پھر اپنی اصل سے مِل جاتی ہیں۔

یہ گورکھ دھندا محض لوگوں کو گمراہ کرنے اور حیران کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ تاکہ انسان اپنے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو پوجنے لگے۔ اور یہ ایک کامیاب حربہ تھا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح شیرِ خُدا دُلدُل، تعزیہ اور مزاروں، مقبروں اور اُن میں مدفون مُردہ بزرگوں میں خُدائی جلوہ دیکھنے لگے۔ اور اُن سے اُمید رکھنے لگے کہ وہ اپنی اصل سے مِل کر اپنے پرستاروں کی سفارش کر واسکتے ہیں۔ یہ عقیدہ دُنیا بھر کے مُشرکوں میں رائج رہا ہے۔ اور اب بھی موجود ہے۔

مُردوں کا احترام

چنانچہ تہذیبِ بابل کے بارے میں آپ شروع میں مُطالعہ کر چکے ہیں کہ اہلِ بابل اپنے مُردوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ بلکہ اِن کا کوئی بڑا آدمی مرجاتا تو اِس کو خُداؤں کے زمرے میں شامل کر لیتے تھے اِس کا شاندار مقبرہ بناتے اور اِس کا بُت نصب کرتے۔ اِن پر پھول اور خُوشبو چڑھاتے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُس سے مرنے والوں کی روحیں خوش ہوتی ہیں۔ اُن کے مراتب بڑھتے ہیں بلکہ وہ رُوحانی دُنیا میں دُوسرے خُداؤں پر اپنے پرستاروں کی تعداد کے مُطابق مرتبہ و اقتدار حاصِل کر لیتے ہیں۔ پھر خوش ہو کر اپنے پرستاروں کو اِن کی پرستش کے معیار کے مُطابق نوازتے ہیں۔

قدیم مصری تہذیب میں بھی مُردوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ کیتھ الیس کو پر لکھتا ہے۔

"مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انسان جس قسم کی زندگی اس دُنیا میں گزارتا ہے مرنے کے بعد بھی ویسی ہی زندگی سے دوچار رہوتا ہے۔ یعنی وہاں بھی وہ کھاتا، پیتا، اوڑھتا، پہنتا ہے۔ اور زندوں کی طرح دُنیا کی چیزوں سے لُطف اُٹھاتا ہے۔ اُس لئے وہ اِن کے مقبروں میں کھانے پینے کی چیزیں کپڑے، میز، کرسیاں، پلنگ، زیور اور ہتھیار رکھ دیتے تھے۔ اِن کے مقبروں کی دیواروں پر تصویریں بنا دیتے اور ستونوں کو بیل بوٹوں سے سجا دیتے تھے۔ مصر میں پُرانے مقبرے کثرت سے ہیں۔ یہ اہرام کہلاتے ہیں۔ اِن میں ممفس کا اہرام مشہور ہے۔

'عالمی ڈائجسٹ' کراچی، بابت ماہ مئی ۱۹۶۶ء میں رُوحوں کی پرستش پر ابنِ نظر لکھتے ہیں کہ 'مُردہ پرستی کی ضمن میں نہ جانتے ہوئے بھی کہ رُوح کیا ہے۔ ہر دور اور ہر مذہب کا انسان اِس کے متعلق سوچتا رہا ہے۔ شاید اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اپنے اجداد کی رُوحوں کو خوش کرنے کیلئے اور اِن سے بہتر برتاؤ کی اُمید میں اِن کی رفاقت بلکہ حکومت کو تسلیم کرکے اِن کے آگے سربسجود ہوجاتا ہے تاکہ اُس کی اپنی آئندہ منزلیں آسان ہوجائیں اور وہ دُوسری دُنیا میں اجنبی کی طرح داخل نہ ہو۔ اُسے پُوچھنے والے اور اُس کی مدد کرنے والے پہلے سے موجود ہوں"۔

حبشہ کے قدیم باشندوں کے عقائد تھے کہ بدرُوحیں اندھیروں میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ اِن بدرُوحوں کو بھگانے کے لئے مخصوص درختوں کو جلا دیا جاتا۔ وہ رُوحوں کے انتقامی جذبات سے ہمیشہ خائف رہتے اور سمجھتے کہ جو لوگ زندگی میں اپنے مخالفوں سے بدلہ نہیں لے سکتے وہ مرنے کے بعد اُلّو کی شکل میں نمودار ہو کر بدلہ لے سکتے ہیں"۔

اِسی طرح ہندوستان میں مُردہ پرستی کے بارے میں فرماتے ہیں "مُردہ جلانے کی رسم بھی مُردہ پرستی کی ایک شکل ہے۔ مُردے سے خوفزدہ ہو کر اِس سے

دائمی چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے اسے جلا دینا مناسب سمجھا گیا۔ ہندو عقیدہ ہے کہ رُوح اپنے جسم سے اِس وقت تک علیحدہ نہیں ہوتی جب تک کہ جسم مکمل طور پر تباہ نہ ہوجائے اسی وجہ سے پرانے زمانے میں نہ صرف جسم جلا دیا جاتا تھا۔ بلکہ متوفی کا ساز و سامان ملکیت اور مکان کو بھی آگ لگا دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی بیوی کو بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ تاکہ مرنے والے کو اِس دُنیا سے کوئی لگاؤ باقی نہ رہے۔ اور وہ اطمینان سے دُوسری دُنیا میں مع اپنی بیوی اور املاک کے رہ سکے۔ اور اس دُنیا والوں کو نہ ستائے۔

مگر اسلام نے اُن تمام واہموں کا سدّباب کر دیا۔ مُردوں اور ان کی رُوحوں کی برتری، ان کی فیض رسانی یا ایذا رسانی کا تصوّر خالص آریائی اور ہندو عقیدہ ہے۔ جسے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش، زندگی اور موت کے بارے میں واضح حقائق بتلا دیئے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۵۵ طٰہٰ

یعنی اسی سے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اسی میں تم واپس جاؤ گے اور پھر اسی سے تمکو اُٹھا کر کھڑا کر دے گا۔

اب یہ سمجھنے والے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا بعض لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اور وہ باہر سے سلام و کلام کرنے والوں کی باتیں سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں محض ہندو عقائد ہیں جنہیں عجمی مفسرین و محدثین نے اسلام میں داخل کر دیا ہے اور قرآن حکیم کی تکذیب کی ہے۔ قرآن نے رسُول اللہ سے کہدیا ہے۔ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۔ تم بھی مر جاؤ گے اور دُوسرے بھی مر جائیں گے (زمر۔ ۳۲)

اور سورۂ نمل میں کہا۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ۔ تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتے۔ اور سورۂ فاطر۔ ۲۲ فرمایا وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ تم قبروں میں پڑے ہوئے مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سُنا سکتے۔ اور سورۂ احقاف ۵۔۶

میں فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ اس سے زیادہ گمراہ (جاہل) کون ہوگا جو مُردوں کو پکارتا ہے۔ حالانکہ وہ اُسے قیامت تک جواب نہ دے سکیں گے۔ اور نہیں جانتے کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں۔

چنانچہ اسلامی عقائد یہ ہیں کہ مرنے کے بعد انسان خُود اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ نہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ نہ حج کر سکتا ہے۔ نہ زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ زندگی میں جو کچھ کر لیا اسی کا حساب ہوگا۔ اور اعمال میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ پھر دُوسروں کے لئے کچھ کر سکتا تو یہ کافروں اور مُشرکوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے اسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (بقرہ ۱۳۴) مُردہ بزرگوں کو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔

فاتحہ کے معنیٰ

عربی میں فتح کے معنیٰ کھولنے کے ہیں۔ اسی فتح سے فاتحہ بنا ہے۔ جس کے معنیٰ ہوئے کھولنے والی۔ یعنی قرآن کا دروازہ کھولنے والی جس کو عرفِ عام میں دیباچہ یا عرض حال وغیرہ کہتے ہیں۔ ابو الکلام آزاد نے اس کا نام اُمّ الکتاب بتلایا ہے اور اس کی تفسیر لکھی ہے کہ یہ سات آیتیں قرآن کی ساری تعلیم پر حاوی ہیں اور یہی مقصد ہوتا ہے۔ دیباچے، مقدمے، یا پیش لفظ کا کہ مختصر الفاظ میں بتلا دے کہ کتاب میں کیا لکھا ہے اور کیوں لکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا فاتحہ ویسا ہی جامع اور مختصر لکھوا دیا ہے۔

عجمیوں نے اسے مُردوں کی دُعا بنا دیا ہے۔ اور بتلایا کہ فاتحہ پڑھنے سے مُردے کو ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ اس میں ایک لفظ بھی مُردوں سے متعلق نہیں جیسا کہ اس کے ترجمے سے ظاہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

(۱) حمد و ثنا کے لائق صرف اللہ ہے۔
جو تمام عالموں (دُنیاؤں) کا پالنے والا ہے۔

(۲) وہ بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔
(۳) وہی ہمارے روزِ حساب کا مالک ہے۔
(۴) ہم صِرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
(۵) اے اللہ ہمیں سیدھی راہ چلا۔
(۶) وہ راہ جس پر تو اپنے انعام کردہ بندوں کو چلاتا ہے۔
(۷) نہ کہ اُن کی راہ جن سے تو ناراض ہے یا جو گمراہ ہیں۔

دیکھئے اِس سورۂ مبارک میں مُردوں سے متعلق کیا ہے جو پڑھ کر بخشنے سے اُنہیں فائدہ ہو۔ اگر سورۂ فاتحہ سے مُردے کو کوئی فائدہ ہوتا تو یہ نمازِ جنازہ میں ضرور شامل کی جاتی مگر نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی۔

دُرود یا صلات

فاتحہ کی طرح دُرود بھی ایک ایسی دُعا بتلائی جاتی ہے جو رسُول کے لئے مخصُوص ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی مُسلمان دُنیا کے کسی مقام پر دُرود پڑھتا ہے تو وہ رسُول مقبول علیہ السّلام کو طشت میں رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ دُوسری رِوایتوں میں ہے کہ جب تک رسُول پر درود نہ پڑھا جائے کوئی دُعا آسمان کی طرف نہیں جاسکتی پس دُرود شریف آسمان آسمان کی کُنجی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر لفظ دُرود ایک فارسی لفظ ہے جس کا مصدر دُرودن ہے اور معنیٰ ہیں کاٹنا بلکہ جڑ سے کاٹنا چنانچہ عُرفِ عام میں اِسے فصل کاٹنے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جیسے اقبال نے کہا ہے

پا چکا فرصت دُرودِ فصلِ انجم سے سپہر
کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئنہ ساز

ہمارے عجمی اسلام میں دُرود کے معنیٰ اللہ کی طرف سے رحمت، بندے کی طرف سے دُعا تسبیح اور تحفہ وغیرہ بتلائے گئے ہیں۔ اور اسے صلوٰۃ الرسُول کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ دُرود کے معنیٰ وہی ہیں یعنی توحید کی جڑ کاٹنے والی

دُعا جس سے مُسلمانوں کو اللہ کے ساتھ محمّد اور آلِ محمّد کی پرستش سکھائی گئی ہے۔ اِسی وجہ سے مختلف فرقوں کے دُرود مختلف ہیں شیعوں کا دُرود ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

سُنّیوں نے نہلے پر دہلا لگاتے ہوئے اِسے اِس طرح کر لیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَاتِہٖ اَجْمَعِیْن

اور ظاہر ہے کہ یہ محض ضد میں کیا گیا ہے۔ یعنی روافض کو جلانے کے لئے اصحابہ وازواجہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو مُسلمان مُسلمان کہلانے کے مُستحق ہو سکتے ہیں صلاتِ الرسُول کو شروع ہی سے اِس طرح پڑھتے رہے ہیں۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صلی اللہ علیہ وسلم،

عجمی بزرگوں نے دیکھا کہ عرب کے بادیہ نشین (جو اُن کے خیال میں ایک وحشی قوم تھے) سیلاب و طوفان کی طرح بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اِن کی یلغار کے ریلے کو روکنا محال ہے۔

یعنی کل تک جنہیں اونٹ کی کھال کے خیمے بھی میسر نہ تھے جو ریت کے فرش پر آسمان کی چادر اُوڑھ کر راتیں گزار دیتے تھے۔ آج قیصر و کسریٰ کے محلات کے وارث ہو گئے ہیں۔ جنہیں کبھی تازہ پانی حاصل کرنے کیلئے اونٹ ذبح کر کے چند گھونٹ اِس کے پیٹ سے میسر ہوتے وہ آج جیحون و سیحون۔ دجلہ و فرات کے مالک بن بیٹھے ہیں اُن سے پُوچھئے کہ یہ نعیم دوجہان آپ کو کیسے مِل گئیں تو جواب دیتے ہیں اللہ اکبر۔

پُوچھئے کہ آپ اپنا وطن گھر بار بیوی بچے کس کے سہارے چھوڑ آئے تو کہتے ہیں اللہ اکبر۔

یا کوئی پُوچھتا کہ آپ ننگی پیٹھ کے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھکر بلا زرہ بکتر کے محض تلوار سے ساری دُنیا کے جان بازوں کو کس طرح زیر کرتے چلے جاتے ہیں تو جواب دیتے تھے اللہ اکبر۔

؎ غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

چنانچہ عجمیوں کو فکر لاحق ہو گئی۔ وہ اپنی خانقاہوں میں سر جوڑ کر بیٹھے اور پیر مغاں سے مشورہ کیا تو شیطان نے ایک گُر کی بات سمجھا دی۔ اس نے کہا تم ان کے اللہ اکبر کے ساتھ کسی مخلوق کا نام شامل کر دو۔ اور دونوں کی شان میں ایسی دعائیں بناؤ جن سے اللہ اکبر کا مرتبہ انسان کے برابر ہو جائے۔ پھر مسلمانوں میں گھس جاؤ اور اپنی دعائیں زور زور سے پڑھو۔ چند روز میں وہ بھی تمہاری دعائیں سیکھ لیں گے اور لڑنا بھڑنا چھوڑ کر دعائیں کرنے بیٹھ جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ان سے ان کا اللہ اکبر ناراض ہو چکا ہو گا۔ وہ دعائیں اس طرح تیار ہوئیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ	اے اللہ درود بھیج محمد اور آل محمد پر گن کر
″ ″ بعدد من صلّی و صام	″ تمام روزہ داروں اور نمازیوں کی تعداد میں
″ ″ بعدد من قعد و قام	″ تمام کھڑے اور بیٹھے لوگوں کی تعداد میں۔
″ ، بعدد حروف کلام اللہ	″ حروف قرآن کی تعداد میں۔
″ ″ بعدد قطرات الامطار	″ بارش کے قطروں کی تعداد میں۔
، ″ بعدد اوراق الاشجار	″ درختوں کے پتوں کی تعداد میں
″ ″ بعدد رمل القفار	″ صحرا کی ریگ کی تعداد میں۔

چنانچہ ایک لقلم خود روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے مسلمانوں نے یہ خدمات جلیلہ اپنے اللہ اکبر کے سپرد کی ہیں اُس کا سارا وقت صحرا کے ذرے، درختوں کے پتے، بارش کے قطرے اور کھڑے بیٹھے نمازیوں اور روزے داروں کی تعداد گننے اور اس مقدار میں ۷۰ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے درود بھیجنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اور امور خدائی میں غور کرنے یا دنیا کا کام چلانے کی فرصت نہیں ملتی۔ پس وہ سارے کام اس نے ولیوں، شہیدوں، خواجوں اور داتاؤں پر چھوڑ رکھے ہیں۔

حیف مسلمانوں نے نہ سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی صراحت کر دی۔ وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی محمد کو ہم نے اولادِ نرینہ نہیں دی ہے۔ تاکہ مسلمان شخصیت پرستی اور نسل پرستی میں مبتلا ہو کر اُن کو پوجنے نہ لگیں تو یہ کونسے آل محمد ہیں جن پر خدا کو درود بھیجنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جسے دیکھو خواہ شیعوں کا مجتہد ہو یا سنّیوں کا کوئی مُلّا یا میلاد خواں چلّا رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اور دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی شرک میں اس کے ساتھ شامل ہو جائیں اور اس کے جواز میں قرآن کا حکم پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ احزاب آیت ۵۶)

مگر اسی سورت کی آیت ۴۳ نہیں بتاتا جو کہتی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (احزاب ۴۳)

اے ایمان والو! اللہ وہی تو ہے جو تم پر صلوۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور اللہ مومنوں پر بے حد مہربان ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں فرماتا ہے ؎

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۶) اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (۱۵۷) بقرہ۔

یعنی صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ جن لوگوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں "ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اُس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پالنے والے کی طرف سے صلوات اور رحمت کیجاتی

ہے ۔ اور وہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔

اِس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ صلوات صرف رسُول اللہ سے مخصُوص نہیں ہے ۔ یہ سب بندوں پر ہوتی رہتی ہے ۔ ہمارے مفسر اور مترجم محض باطنی اثرات کی وجہ سے صلوٰۃ کے معنیٰ جگہ جگہ بدلتے اور عوام کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ کہیں اُسے نماز کر دیتے ہیں۔ کہیں دُرود لکھ دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اپنا دھندا چلانے کے لئے عوام کو دھوکہ دینا نہیں چھوڑتے جو ان کا پیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے۔

تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ سچ کے ساتھ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ نیز فرمایا۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور ہماری باتوں کو تھوڑے سے فائدے کے لئے نہ بیچو۔

(پ ۱ ع ۵)

اِس بحث سے واضح ہو گیا کہ عربی لفظ صلات کے معنی ثنا وصفت حمد وستائش تعریف اور شاباشی کے ہیں۔ جب بندہ اپنے رب کی صلات کرتا ہے تو حمد وستائش کرتا ہے۔ شکرگزاری کا اظہار کرتا ہے اور امداد و رہنمائی کا خواستگار ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر صلات کرتا ہے تو وہ شاباشی دلداری، ہمت افزائی، نوازش، کرم، رحمت وغیرہ ہوتی ہے۔

اور جب ہم رسُول پر صلات کرنا چاہیں تو ان کی عظمت کا اعتراف کریں انسانیت پر ان کے احسانات کا ذکر کریں۔ اور اپنی رہنمائی پر جو ان کی وجہ سے قرآن کی معرفت ہمیں ملی ہے چند کلمات خیر دہرائیں۔ اور وہ بھی ہیں کہ اُن کا نام سُن کر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہیں۔ ہمارا مروجہ دُرود ابراہیمی جو ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں خاصہ دلچسپ ہے۔

غالباً آپ بھی پڑھتے ہوں گے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ الخ

جس کا ترجمہ ہو گا۔ اے اللہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے ساتھ وہی کر جو تو ابراہیم اور آلِ ابراہیم کے ساتھ کر چکا ہے۔ اب اگر آپ کو معلوم نہیں کہ ابراہیم اور آلِ ابراہیم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ تو سُن لیجئے۔ حضرت ابراہیم کو نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا اللہ نے آپ کو بچا لیا اور آپ نے بابل سے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔

آپ کے پوتے حضرت یعقوب اپنے بیٹے کے ساتھ عیش کرنے مصر جا بسے وہاں آلِ ابراہیم مصریوں کے غلام بن گئے۔ اِن کے بچے مارے جاتے اور بچیاں رکھی جاتیں اِس طرح چار سو سال غلامی میں گذارنے کے بعد آزادی ملی تو فلسطین آ کر آباد ہوئے ۷۲۱ قبل مسیح میں بابل و نینوا کے بادشاہ عاشور بنی پال نے یروشلم پر حملہ کیا شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لاکھوں یہودیوں کو تہ تیغ کیا، انکے بچوں اور جوانوں کو غلام بنا کر لے گیا۔ اور بابل و نینوا میں فروخت کر دیا۔ چار سو سال بعد سکندر اعظم نے ۳۲۳ قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کیا اور لاکھوں کو قتل کر کے چلا گیا۔ پھر ۳ سو سال بعد ۲۰ قبل مسیح میں بطلیموس مصر کے راستے آیا اور قتل عام کر کے چلا گیا۔ چند سال بعد روم کا بادشاہ پمپئی آیا اس نے یروشلم کو تباہ کر کے ہیکل سلیمان کو بھی منہدم کر دیا اور یہودیوں کو منتشر کر کے چلا گیا ۷۰ء میں رومیوں نے آخری بار ضرب لگائی اور یہودیوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ ۱۳۵ء میں بادشاہ ہیڈرن نے یروشلم پر قبضہ کیا یہودیوں کو نکال باہر کیا اور ہیکل کی جگہ گرجے تعمیر کر دیئے۔

یہودی فلسطین سے بھاگ کر یورپ اور ایشیا کے غیر معروف علاقوں میں جا چھپے کچھ سرزمین یثرب میں آ کر بس گئے مگر ہر جگہ مقامی آبادی انسے نفرت کرتی رہی۔ یورپ میں انکو کتے سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ شیکسپیئر نے شائی لاک کا کردار پیش کر کے زندہ جاوید کر دیا ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے انہیں سرزمین عرب سے نکال دیا۔ تو پھر آلِ ابراہیم ایک دفعہ بندروں کی طرح بے وطن اور بے دیار ہو گئے۔ کونوا قردۃ خاسئین

۱۹۴۰ء میں جرمنی کے ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو برقی بھٹیوں میں ڈال کر بھون ڈالا اب روس امریکہ یورپ ہندوستان پاکستان اور افریقہ سے نکل کر یہ فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں تاکہ آخری بار مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوں۔

پس مُسلمانوں کا دُعا کرنا کہ آلِ مُحمّد کے ساتھ بھی ویسی کیا جائے جو آلِ ابراہیم کے ساتھ کیا گیا۔ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آلِ محمد یعنی اُمّتِ مُحمّد یہ کے بارہ میں یہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ کربلا، بغداد، اندلس، اور پھر تقسیمِ ہند، مشرق وسطیٰ کی جنگیں، بنگلہ دیش کے فسادات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی دُعا مستجاب ہو رہی ہے۔ افسوس مُسلمان بڑا بے عقل ہے۔ کَانَ جَھُولًا۔ درُود بھیجتا ہے اور نہیں جانتا کہ کیا بھیج رہا ہے۔ اپنی تباہی کی التجا کر کے نوازش کی اُمید رکھتا ہے۔ کہتا ہے خُدا نے حکم دیا ہے کہ مُحمّد پر درُود بھیجو صلوعلیہ وسلموا تسلیماً مگر خُود نہیں بھیجتا بلکہ اللہ کو حُکم دیتا ہے کہ تُو بھیج مُحمّد اور آلِ مُحمّد پر دُرود اللّٰھمّ صلی علیٰ مُحمّد وعلیٰ آلِ مُحمّد۔ یعنی میں نہیں جانتا بلکہ میرے باپ دادا بھی نہ جانتے تھے کہ دُرود کس طرح بھیجا جاتا ہے۔ پس اے خُدا تو مُحمّد اور آلِ مُحمّد پر دُرود بھیجتا رہ اس کے سوا میرے پاس کام ہی کیا ہے۔ تُونے دُنیا بنا دی وہ چل رہی ہے اور چلتی رہے گی۔ تو بیٹھا دیکھتا رہتا ہے۔ اسلئے بہتر ہے کہ دُرود بھیجتا رہ۔ دُرود کے معنی آپ جانتے ہیں جڑ سے کاٹنے کے ہیں۔ تو گویا ہم اللہ سے کہتے ہیں کہ تو ہماری جڑ کاٹ ہمیں گمراہ کر اور تباہ کر دے۔ مگر صلّ کے معنی کچھ اور ہیں قرآن میں صلّ۔ صلّوا۔ یصلّون اور صلوٰۃ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ مولوی اُن الفاظ کے معنیٰ حسبِ مرضی بدلتا رہتا ہے ان تمام مشتقات کا مصدر تصلیہ ہے جسکے معنی ہیں دُعا یا، عبادت کرنا، مولوی نے اللہ کے ساتھ رسُول کی پرستش شروع کروانے کیلئے صلوٰۃ کا ترجمہ دُرود کر لیا ہے اور مُسلمانوں کو گمراہ کیا ہے، ورنہ قرآن حکیم نے خود رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ السّلام کو حکم دیا ہے خُذ مِن اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصلّ علیھم انّ صلاتک سکن لّھم ۱۰۳ توبہ ترجمہ۔ اُنکے اموال سے زکوٰۃ لو اور اُنکو پاک صاف زندگی کا عادی بناؤ اور اُنکے حق میں دُعا کرو وصلّ علیھم کیونکہ صلاتک تمہاری دُعا (درُود نہیں) ان کے لئے تسکین کا باعث ہوگی۔ چنانچہ بخاری نے بھی ایک روایت لکھ چھوڑی ہے۔ ابن ادفیٰ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص رسُولِ خُدا کی خدمت میں صدقہ لاتا تو یہ دُعا دیتے اللّٰھم صلّ علیٰ آلِ فلاں۔ ایک مرتبہ میرے والد صدقہ (زکوٰۃ) لیکئے تو حضُور نے فرمایا اللّٰھم صلّ علیٰ آلِ ابی ادفیٰ۔ بخاری ج ۳ کتاب الدعا باب ۲۹۲ ترجمہ مرزا حیرت اس سے واضح ہوا کہ صلّ کے معنی نوازنے بخشنے، برکت دینے، تعریف کرنے کے ہیں۔ مگر دُرود بھیجنے کے ہرگز نہیں۔ اور نہ حضُور ابی ادفیٰ پر دُرود بھیج سکتے تھے۔ درُود تو صرف مولوی بھیجتا ہے۔ آپ حضُور کا نام سُنیں تو صلی اللہ علیہ وسلم کہیں۔ آلہ نہ لگائیں۔ آلہ پر روافض اصرار کرتے ہیں۔

چھٹا باب

یہ علم و حکمت کی مُہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دُنیا کو اب گوارہ پُرانے افکار کی نمائش

اِسلامی اقدار سے بیزاری

اِس موضوع پر ہماری بحث سُننے سے پہلے بہتر ہے کہ آپ ایک شیعی لطیفہ سُن لیں۔

لطیفہ "کسی دُشمن نے سبزوار کے حاکم سے شکایت کی اُس شہر کے باشندے ابوبکرؓ کے نام سے اِس قدر متنفر ہیں کہ اتنے بڑے شہر میں کوئی ایک متنفس بھی اُس متبرک نام سے موسُوم نہیں۔ حاکم یہ سُن کر سخت برہم ہوا اور رؤسائے شہر کو حکم دیا کہ ابوبکر نامی کسی شخص کو جو سبزوار کا رہنے والا ہو فوراً ہمارے سامنے پیش کرو، ورنہ ہم سخت سزا دینگے سبزواری بہت گھبرائے۔ حاکم سے تین دن کی مہلت طلب کی اور بہت تلاش کے بعد اس بزرگ نام کا ایک شخص ڈھونڈ نکالا۔ جو گنجا، لنجا، بدہیئت، کریہہ المنظر تھا۔ اور سبزوار کا رہنے والا بھی نہ تھا۔ بلکہ حال ہی میں اِس شہر میں وارد ہوا تھا۔ حاکم نے اسے دیکھ کر کہا تین دن بعد ایک شخص لائے اور وہ بھی اس قدر مکرُوہ صُورت!

درباری ظریف نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا جان بخشی ہو تو عرض کروں کہ سبزوار کی آب و ہوا میں اِس سے زیادہ خوب صُورت ابوبکر

پرورش نہیں پا سکتا۔ حاکم اس جواب سے بے حد محظوظ ہوا۔"
(تفریح الشیعہ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور)

آپ نے دیکھا شیعہ معاشرے میں ابوبکر نام کا آدمی کیسی نشوونما پاتا ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے دوست اور زندگی بھر کے ساتھی تھے ہر برے بھلے میں ساتھ رہے۔ اس لئے رسولؐ کے خلیفہ و جانشین ہوئے ان کا مرتبہ رسولؐ کے بعد سب سے بلند تھا لیکن ہمارے شیعہ بھائیوں کو ان سے کتنی نفرت ہے

پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ عنہ، خال المسلمین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس معاشرے میں کیا حال ہوگا۔ جنہوں نے عجم کی چولیں ڈھیلی کرکے کفر کی بنیادیں ہلا دیں یقیناً نتیجہ ظاہر ہے کہ آج چودہ سو سال بعد بھی ان ناموں سے نفرت کرنا سکھایا جاتا ہے۔

اس لئے مسلمان اپنے بچوں کو ایسے نام دیتے ڈرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔ پھر لوگ خود بھی ایسی نسبتیں لگا لیتے ہیں جن سے معلوم نہ ہو سکے کہ وہ سُنی ہیں جیسے ہمارے ایک رضوی دوست نے اعتراف کیا کہ میں رضوی محض اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی نسبت سے بنا ہوں کیا کرتا؟

لیاقت علی خان نے تمام کلیدی عہدوں پر شیعوں کو فائز کر دیا تھا۔ اور وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ کوئی غیر شیعہ مراعات حاصل نہ کر سکے کیونکہ یہ ملک شیعوں نے بنایا تھا چنانچہ اس کا نام اسی مناسبت سے پاکستان رکھا گیا تھا شیعہ کے مجازی معنیٰ پاک کے ہیں۔ پس پاکستان کے معنیٰ ہوئے شیعوں کا ملک یا شیعستان۔ اس لئے بھائی میں نے بھی اپنے نام کے آگے رضوی کا اضافہ کر لیا اور ملازمت حاصل کر لی۔ خدا بخشے غلام محمد مرحوم کو جس نے لیاقت علی کو ہٹا کر شیعت کا زور توڑ دیا ورنہ یہ ملک بھی ایران و عراق کی طرح سیدوں سے بھر گیا ہوتا۔

اللہ کے نام سے نفرت

اسلام کی شان تو نعرہ اللہ اکبر سے ہے آج بھی مساجد کے میناروں سے یہ نعرہ بلند ہوتا ہے تو منکروں کے دل دہل جاتے ہیں وہ تلملا اٹھتے ہیں۔ حکومت سے کہا جائے کہ ریڈیو پاکستان سے اذان نشر کی جائے اور معروضہ پیش کیا جائے کہ کم سے کم مغرب کے وقت تھوڑی دیر کے لئے پروگرام روک دیئے جائیں تو کسی شرابی شاعر سے جس کے اسلاف نے بھی نماز نہ پڑھی تھی پھبتی کسوا دی جاتی ہے

ریڈیو سے اذاں کے ریکارڈ   لوگ کہتے ہیں نشر فرمائیں!
کیا عجب ہے کہ کل یہ ہو اصرار   ریڈیو سے نماز پڑھوائیں
(صہبا اختر)

ہندوستان میں ہمیں یاد ہے نماز مغرب کے وقت اگر کوئی ہندو مندر کا گھنٹہ بجا دیتا یا کوئی جلوس باجا بجاتا نکل آتا تو ٹھن جاتے تھے۔ مگر پاکستان میں جو پاک لوگوں کا ملک ہے مسلمان اپنی نمازیں، ریڈیو اور ٹی وی اس کے علاوہ آئے دن شادیوں اور مجلسوں کی ریکارڈنگ کے شور میں پڑھنے پر مجبور ہیں

اور اس سے دلچسپ بات یہ کہ محرم کے نوحے، شام غریباں کی تمثیلیں یا علی یا حیدر، ہائے حسین، ہائے سکینہ کے نعرے تو نشر کئے جا سکتے ہیں مگر ریڈیو پر اللہ کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ اس کا احساس ہمیں ایک شیعہ بزرگ نے دلایا حریت مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء نے سرخی لگائی۔

"کیا ریڈیو کمرشل سروس میں خدا کا نام لینا جرم ہے؟"

معلوم ہوا کہ شفیق بریلوی صاحب نے شکایت کی تھی کہ ریڈیو پاکستان نے ان کا مضمون نشر کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس میں اللہ کا نام درج تھا پس مدیر حریت کو جوش آ گیا۔ اس نے اداریہ لکھ مارا جس کا عنوان تھا "سنگین" اور پوچھا کیا یہ واقعہ ہے کہ ریڈیو پاکستان ایسے اشتہار نشر نہیں کر سکتا جن میں اللہ کا نام موجود ہو۔

اسی طرح چند روز بعد مسلمانوں نے مقابلہ حسن قرأت کا التزام کیا جس میں ساری دُنیا کے قاری مدعو تھے۔ ریڈیو والوں نے اُسے نظر انداز کر دیا۔ اِس کا ذکر تک نہ کیا تو مرحوم فخر ماتری برس پڑے اور لکھا کہ:

"دو ناچ گانوں اور فحاشی کے پروگراموں کے لئے ریڈیو والے دوڑے دوڑے جاتے ہیں۔ مگر قرآن عظیم کی قرأت کا مقابلہ جو عالمی پیمانے پر ہو رہا ہے نظر انداز کرنا کیا معنیٰ؟"

اللہ یا خُدا

ریڈیو والوں کی اس حرکت سے جسے بخاری صاحب نے خالص پاکستان بنا رکھا تھا ہمیں بھی پتہ چلا کہ پاک لوگ اللہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ اور اُسی وجہ سے وہ اللہ کو خُدا کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نام میں جو عظمت ہے۔ اور اللہ سے جس بزرگ و بالا، قادر و مختار، قہار و جبار، ستار و غفار کریم و رحیم ہستی کا احساس ہوتا ہے۔ اسے شیر گھوڑے اور تابُوتوں کو پُوجنے والے برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ اللہ کو خُدا کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خُدا ایک بے وقعت سا عامیانہ لفظ ہے جو ہر کس و ناکس کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ جیسے شیعہ شاعر میر تقی میر کو خُدائے سخن کہا جاتا ہے امیروں کو خُداوند نعمت، بادشاہوں کو خُداوند یا خاوند، چاند کو ماہ خُدا، سورج کو خُدا نور۔ حیدر کو شیر خُدا۔ شیطان کو خُدائے شر۔ اور ملاح کو ناخُدا جو دراصل ناؤ خُدا ہے یعنی کشتی کا مالک۔ اب اگر اللہ کو خُداوند عالم کہہ دیا تو اِس کی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ اپنے بہت سے خُداؤں میں ایک اور خُدا کا اضافہ قبول کر لیا ہے۔

اور بس! یہ لفظ اللہ کے معنوں میں کیسے استعمال ہونے لگا اور کیوں مقبول ہوا ایک شیعہ بزرگ سے سُنئے۔ ماہ نو کراچی بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء میں سید قدرت نقوی صاحب لکھتے ہیں:-

"خُدا ایک مفرد لفظ ہے۔ اوستا (قدیم فارسی) میں خوتائے تھا۔ پہلوی میں خدا ہوا اور فارسی میں خُدا ہو گیا۔ اوّلاً یہ لفظ معنیٰ بادشاہ، حاکم، بزرگ، آقا

یا صاحب کے استعمال ہوتا رہا۔ اِسلام کے زیر اثر اور غالباً تصوف کے رواج کے ساتھ یہ لفظ اللہ کی ذات واجب الوجود کے لئے استعمال کیا گیا اور بادشاہ و امراء کے لئے خُداوند و خواجہ رکھا گیا۔ جو لفظ خُدا کی مختلف شکلیں ہیں۔ اُردو میں خُدا، خُداوند، خواجہ، اور خاوند کا استعمال موجود ہے۔ شاہان مغلیہ اور دیگر امراء کو خُداوند یا خاوند کہا جاتا رہا ہے۔ بلکہ خاوند بمعنیٰ شوہر آج بھی مستعمل ہے۔ جو دراصل خُداوند کا مخفف ہے گویا مرد عورت کے لئے بمنزلہ خُدا ہے اسی طرح لفظ خان بھی خاوند کا مخفف ہے اور خُدا کے معنیٰ دیتا ہے۔

خواجہ کی حقیقت

قدرت نقوی صاحب لکھتے ہیں لفظ "خواجہ" دراصل مرکب ہے "خُدا اور بچہ" سے جیسے "کتاب" سے کتابچہ "مغ" سے "مغبچہ"، "آہو" سے "آہو بچہ" اور "چاہ" سے چہبچہ یا چاہ بچہ وغیرہ۔ کثرت استعمال یا علامت تصغیر یزہ یا بچہ" لگانے سے یہ "خُدا بچہ" بن گیا اور پھر "خوچہ" ہو گیا جس کے معنیٰ چھوٹے خُدا، چھوٹے صاحب یا چھوٹے میاں کے نکلتے ہیں۔ پھر عربی میں حرف "چ" نہ ہونے کی وجہ سے خوجہ ہو گیا جس کی مزید شستہ صُورت "خواجہ" نکل آئی۔ لیکن پشتو زبان میں یہ لفظ بجنسہٖ "خوچہ" مستعمل ہے بلکہ اس کو مزید مخفف کر کے صرف "خوا" خان سے بھی کام نکال لیا جاتا ہے۔ مصری "خدیو" اور چینی "خاقان" یا "کھاکان" اسی لفظ "خُدا" کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں جن سے بادشاہ یا حاکم کے معنیٰ پیدا ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ لفظ "خواجہ سرا" جسے اُردو میں "ہجڑا" کہتے ہیں کثرت استعمال سے "کھسرا" اور "کھدرا" مستعمل ہے۔ حالانکہ اس کے معنیٰ گھر کا مالک ہوتے ہیں۔

اب شاید آپ سمجھ گئے ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے "اللہ" کے بدلے "خُدا" کا لفظ اپنے معبُود حقیقی کے لئے کیوں پسند فرمایا۔ اگر کہا جائے کہ فارسی اثرات کے تحت اللہ کا ترجمہ خُدا کیا گیا تھا تو لازم آتا ہے کہ ہندو اثرات کے تحت جو ہمارے معاشرے میں اب بھی موجود ہیں (ابھی شادی بیاہ کی رسموں کو دیکھئے

"بھوتی" "جالا"، "مانجھا" "مہندی") اللہ کا ترجمہ "ایشور" "بھگوان" یا "مہادیو" کر لینا تھا۔ خدا کو ایران وعراق کے لئے رہنے دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا کیوں؟

اِس لئے کہ اگر اللہ کو باقی رہنے دیا جاتا تو مُسلمانوں کو اِن کے چھوٹے موٹے سینکڑوں خُدا یا خُدا بچے (خوجے) اور خواجہ صاحبان کیسے ملتے۔ خواجہ بندہ نواز، خواجہ گیسو دراز، خواجۂ خواجگان و خواجہ خضر کا کیا بنتا اور خاص کر شیرِ خدا کو کون جانتا۔

مُسلمانوں کے دو مولیٰ

میں نے ایک ٹرک والے سے پُوچھا تمہارے ٹرک پر "مولیٰ مدد" لکھا ہوا ہے اِس کا مطلب کیا ہے؟

وہ بگڑ گیا اور بولا تم مُسلمان ہو اور مَولا کو نہیں جانتے۔ سب مُسلمان مصیبت کے وقت مَولا علی مُشکل کُشا کو پکارتے ہیں اور جب کوئی اُن کو پُکارتا ہے تو وہ جنگل اور پہاڑ پر آکر اِس کی مدد کرتے ہیں۔ میں نے استغفر اللہ پڑھا، مُشرک سے کیا کہنا۔

دُوسرے دن ایک پٹھان ڈرائیور سے پُوچھا تُم نے اپنے ٹرک پر مَولا مدد کیوں لکھوا رکھا ہے۔ کہنے لگا بابوجی! دُنیا میں ایسا کون ہے؟ جو اپنے مَولا اور مالک سے مدد نہ مانگے جس نے پیدا کیا ہے جو پالتا ہے وہی مدد بھی کرتا ہے۔ ہمارا کام خطرناک ہے، موت ہمارے سر پر رہتی ہے اُس لئے ہم سے زیادہ مَولا کو یاد کرنے کا حق کس کو ہے یہ نام تو ٹرک کی طرح ہمارے دل پر لکھا ہوا ہے۔

میری زبان سے بے ساختہ نکلا جزاک اللہ یہ جاہل اور اَن پڑھ ڈرائیور ایمان میں کتنا کامل ہے اور مَولا کے کیسے صحیح معنیٰ جانتا ہے۔

میں نے ایک مَولوی صاحب سے پُوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ ہمارے مُسلمان بھائی اللہ کو بھی مَولا کہتے ہیں اور علی کو بھی مَولا سمجھتے ہیں۔

فرمانے لگے عربی زبان بڑی جامع زبان ہے اِس میں ایک لفظ کے کئی معنیٰ ہوتے ہیں۔ مَولیٰ کے معنیٰ مالک کے ہیں اور مَولا غلام کو بھی کہتے ہیں۔

میں نے پُوچھا اگر مَولا سے مُراد غلام ہے تو علی کس کے غُلام ہیں۔

مولوی صاحب کو اِس گُستاخی پر غصّہ آگیا۔ فرمانے لگے تُم لوگ انگریزی تعلیم

پاکر اِسلام سے بے بہرہ ہو گئے ہو حدیث رسُول موجود ہے۔ ـــ

" من کنت مولاہ فعلی مولاہٗ " یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ میں نے عرض کیا، مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان تولو فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولٰی ونعم النصیر۔ سورۃ انفال۔ یعنی تولائی (مُشرکین و باغیوں) کو بتلادو کہ مُسلمانوں کا مَولا تو صرف اللہ ہے اور وہ کیسا اچھا مَولا ہے اور کتنا اچھا مددگار و مشکل کُشا ہے اُسے چھوڑ کر کسی کو مَولا نہ بنانا۔

اِس آیتِ قرآنی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مَولا کا لفظ بہت مُتبرک اور اولیٰ ہے۔ اُسے سوائے اللہ کے معنوں کے دُوسرے معنوں میں استعمال کرنا غلط ہے۔ خاص کر کسی فانی مخلوق کو مَولا کہہ دینا روحِ توحید کے منافی ہے بلکہ شرک ہوگا۔

مَولوی صاحب نے فرمایا میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ تم جو جی چاہے سمجھو۔ میں نے تمہیں حدیث شریف سُنادی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور رسُول اللہ نے واقعی ایسا کہا تھا کہ میں جس کا مَولا ہوں علی بھی اِس کے مَولا ہیں تو بدبخت مُسلمانوں نے رسُول کی مَولائی کیوں چھین لی مَولا علی، مَولا علی چلانے والے۔ مَولا محمدؐ کیوں نہیں کہتے ملاجی اُس کا جواب کیا دیتے۔ خفا ہو کر چلے گئے۔

پھر مشکوٰۃ باب الاسامی میں دیکھا ہے قال رسول اللہ لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولا یقل العبد سیدہٗ مولائی۔ فان مولاکم اللہ۔ " ترجمہ :۔ یعنی رسُول اللہ نے فرمایا تُم کسی کو میرا غلام (بندہ) یا میری باندی (بندی) نہ کہو، تم سب اللہ کے غُلام (بندے) ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا (سید) کو میرا مَولا نہ کہے۔ کیونکہ تمہارا سب کا مَولا تو صرف اللہ ہے۔

حیرانی ہوئی کہ مَولوی صاحب ایک حدیث سُناتے ہیں جس میں رسُولؐ بھی مَولا ہیں۔ اور علی بھی مَولا ہیں۔ اور حدیثوں کی کتاب ایک حدیث پیش کرتی ہے۔

جس میں غلام کو بھی اپنے آقا کو مولا کہنے کی ممانعت ہے۔ پھر آزاد انسان کسی فانی مخلوق کو اپنا مولا کیسے کہہ سکتا ہے۔

مگر ہمارے مولوی اور ملاؤں کا سرمایۂ دین تو محض باطنی ذخیرہ خرافات ہے جو عجمیوں نے کوفہ و بغداد اور مصر سے بنو ہاشم و بنو فاطمین کی سرپرستی میں خاص مقاصد سے شائع کیا تھا اور سارے عالمِ اسلام میں پھیلا دیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ بنو فاطمین مصر از ڈاکٹر زاہد علی مطبوعہ کراچی)

البتہ شیعہ کتاب البلاغ المبین مصنفہ آغا سلطان مرزا مطبوعہ کتب خانہ حسینیہ محلہ شیعان لاہور میں وہ روایت اِس طرح درج ہے۔

روایت ابو سعید مسعود بن ناصر السجستانی کتاب درائت فی الحدیث الولایت میں درج ہے کہ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسولِ خدا کو حکم دیا گیا۔ کہ حضرت علی کی ولایت کی تبلیغ کریں اور آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک نازل ہوئی۔ اسی وقت آنحضرت نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیا اور بعد حمد و ثناء باری تعالیٰ ارشاد فرمایا۔

فمن کنت مولاہ فعلی مولاہٗ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض من ابغضہٗ وغیرہ وغیرہ

جس کا مطلب ہوا کہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اُس کا مولا ہے اے اللہ دُوست رکھ اس کو جو اسے دُوست رکھے۔ دُشمنی رکھ اس سے جو اس سے دُشمنی رکھے۔ محبت کر اُس سے جو علی سے محبت کرے اور بغض رکھ اُس سے جو علی سے بغض رکھے۔ ترجمہ آغا سلطان مرزا البلاغ المبین ص ۶۳۳

اِس شیعہ حدیث کی صحت کا اندازہ تو رسُول کی دُعا سے ہو جاتا ہے۔ گویا ان کو معلوم تھا کہ اُمّت علی سے محبت نہ کر سکے گی۔ نہ اِن کی مدد کرے گی۔ نہ اِن کو خلافت دلائے گی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اگر مُسلمان محبت نہ کریں

تو ان کو سزا دے اور سزا نہ دے سکے تو کم سے کم اِن سے بغض رکھے یعنی موقعہ کی تاک میں رہے کہ جب غافل پائے تو ان کو نقصان پہنچا سکے۔ حدیث بنانے والے کو غالباً معلوم تھا کہ خدا نعوذ باللہ اتنا بھی نہ کر سکے گا۔

مُسلمان عُلماء جو شیعہ کتابوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں باقی باتوں کو حذف کر کے صرف من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا شوشہ چُرا لائے ہیں اور اس کے سہارے نہ صرف علی کو مولا علی بنا لیا ہے، بلکہ مولا بننے کے دروازے سب کے لئے کھول بیٹھے ہیں یہ ہر عالم فاضل، پیر ولی حتیٰ کہ ہر داڑھی والے کو مولانا کہنے لگے ہیں حالانکہ اہلِ زبان عرب آج بھی کسی کو مولانا نہیں کہتے۔ عرب اپنے علماء کو شیخ امام یا سیّد کہتے ہیں اور کوئی خطاب آگے پیچھے نہیں لگاتے۔ القاب و خطابات لگانا صرف مُشرکوں کا طریقہ ہے۔ اور غلامانہ ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے مولانا کے خطاب پر ابن بطوطہ نے سب سے پہلے اعتراض کیا تھا اُس نے دیکھا ترکی اور عراق میں لوگ اپنے علماء کو مولانا کہنے لگے تھے تو حیرت کا اظہار کیا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ جو اپنے پجاریوں کو زمانہ کفر سے آقا، سرکار، موبد پیر مغان، سوامی سائیں، خداوند، خاوند، اخوند کہتے چلے آئے تھے مُسلمان ہوئے تو ان کو مولانا کہنے لگے جو اُنہی معنوں میں مالک اور آقا کے مماثل ہے چنانچہ پیر رومی کہتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ؎ تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

یعنی مولوی جب تک اللہ کی بندگی سے نکل کر کسی مجوسی پیر کا غلام نہ بنے مولانا نہیں بن سکتا واضح رہے کہ لفظ مولوی اُنہی عجمیوں کی اختراع ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں ہے۔ بلخ بخارا سمرقند اور افغانستان میں باطنی اسماعیلی۔ نوجے مولائی کہلاتے ہیں یعنی مولا علی کو پُوجنے والے مولوی اور ملا اسی مولائی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ جس سے علی کی مولائی کا اعتراف ہوتا ہے ابتدائی دور کے باطنی خود کو مولائی، مولوی یا ملا کہلاتے تھے۔ ہندوستان میں یہ خطاب

عام مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ تاہم یہ لفظ مولانا سے بہتر ہے کیونکہ مولانا کہنے سے ہم اِس شخص کو اپنا خدا یا آقا تسلیم کر لیتے ہیں۔ جو جائز نہیں۔ میں بھی لوگوں کو تعظیماً مولوی کہہ دیتا ہوں یعنی کسی مولو کا پرستار۔

افسوس کہ مسلمان نہیں سوچتے کہ جب ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، معاویہ رضوان اللہ علیہم مولا نہ تھے تو علی مولا کیسے بن گئے۔ پھر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام تیمیہ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ مولانا نہ کہلائے تو اس کی وجہ کیا ہے۔ مگر یہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کریں گے کیونکہ شرک کے پروردہ ہیں۔ اور انسانوں کو پوجتے رہے ہیں۔

قرآن دشمنی

قرآن حکیم عرب کی اُجڈ قوم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دوست دشمن اپنے اور غیر سب کو بلا معاوضہ سکھا دیا۔ اور ان کی کایا پلٹ دی وہ دوسری قوموں کو تہذیب و تمدن سکھانے کے قابل ہو گئے تو اپنے آباواجداد کے خداؤں کو ٹھکرا کر اللہ واحد کا نام بلند کرنے نکل کھڑے ہوئے جس نے اُن کی صداقت قبول کر لی وہ ان کا بھائی بن گیا اور جس نے انکار کیا وہ اللہ کا اور ان کا دشمن قرار پایا خواہ باپ بھائی چچا ہو یا ماں بہن نانی، دادی۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ اُن کی راہ میں کوئی حائل نہ ہو سکا قیصر و کسریٰ کا جاہ و دبدبہ بھی ان کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکا جب حق کی فتح نے صحرا نشینانِ عرب کو ایشیا افریقہ بلکہ بیشتر حصہ یورپ کا وارث بنا دیا تو شیطانی قوتوں کو پریشانی لاحق ہو گئی۔ وہ غور کرنے لگے کہ ایسی کون سی طاقت ہے جس کے سامنے ان کی صدیوں پرانی، نمرودی، فرعونی، زرتشتی اور ویدی خدائیاں گھٹنے ٹیک رہی ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن عظیم کی تعلیم کا اثر ہے۔

پس عجمیوں نے طے کیا کہ عربی سیکھی جائے اور عربوں کی زبان میں کچھ ایسی کتابیں پیش کر دی جائیں جنہیں پڑھ کر وہ قرآن حکیم کو بھول جائیں۔ چنانچہ

حدیث رسول کے نام سے تمام دنیا کے مفکروں کے اقوال اور اپنے مشرکانہ عقائد کو عربی میں منتقل کر کے پیش کر دیا اور اس کا نام سنت رکھ دیا۔

پس نئی نسل نے سنت اللہ یعنی قرآن کو چھوڑ کر سنتِ رسول کو بغل میں دبا لیا اور اسی کو اسلام بتلانے لگے۔

قرآن کا بدل حدیث

اس بحث کو ہم اپنی زبان میں پیش کرنے سے بہتر سمجھتے ہیں کہ کسی دوسرے دردمند اسلام کی بانی یہ کہانی سنائی جائے۔ خواجہ عباد اللہ اختر اپنی کتاب عجمی مذاہب کا اثر مسلمانوں کے عقائد پر جسے مرکزی مکتبہ تحریک تجدید عہد لاہور نے شائع کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"ابومسلم کا مذہب کیسانیہ مختار یہ تھا۔ اسی مذہب پر اس کی تعلیم و تربیت ہوئی اُس نے جعفر صادق کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام ہوا۔ تو ابوالعباس بن محمّد کی طرف رجوع ہوگیا۔ اس کی کوشش سے بنو اُمیّہ کا تختۂ حکومت اُلٹ گیا۔ اور بنو عبّاس کا قبضہ امامت پر ہوگیا۔"

ابومسلم کے بارے میں اس کے خراسانی جان نثاروں کا عقیدہ تھا کہ وہ مظہر الوہیت ہے (یعنی خدا کا اوتار ہے) وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور پھر کسی دن سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ خروج کرے گا (یعنی بغاوت)

یہی بنو عبّاس جنہیں ابومسلم مختاریہ نے خلیفہ بلکہ امام المومنین بنایا تھا شیعہ مذہب کی ترویج کا باعث ہوئے اُن کے داعی ایرانی اور عجمی تھے وہ دنیائے اسلام میں ایسی حدیثیں بیان کرتے پھرے جن میں کسی مہدی کی آمد کی پیشگوئی آنحضرتؐ سے منسوب ہوتی تھی۔ یہی روایات ہماری صحاح ستہ میں محفوظ ہیں۔ صحاح ستہ کے مؤلفین سب کے سب عجمی تھے جو عجمی ماحول میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔

اختر صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"عجمی داعیان بنو ہاشم کی سرگرمیاں اگر یہیں تک محدود رہتیں تو ٹھیک تھا۔ مگر بنو اُمیّہ کے زوالِ حکومت پر ایرانی روح بیدار ہوگئی اور بقول۔

قاسم زادہ اُس کی جلوہ ریزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی گئی۔ تفسیر تراجم اور مغازی کے بارے میں بے شمار احادیث جو صحاح ستہ میں محفوظ ہیں اُنہی ایام میں وضع ہوئیں یہ کام زندیقوں (باطنیوں) نے نہایت ہوشیاری سے سرانجام دیا۔ امام احمد حنبل نے اِن کے بارے میں فرمایا ہے کہ اُن کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے (یعنی سب جھوٹی حدیثیں ہیں)'' آگے لکھتے ہیں۔

''ابومسلم کے بعد حکیم المقنع نے دعوے نبوت کیا اس وقت محمد المہدی عباسی خلیفہ تھا۔ خلیفہ نے اِسے قتل کروا دیا۔ تو مقنع کے پیرو کہنے لگے کہ وہ مارا نہیں گیا بلکہ رُوپوش ہو گیا ہے

مہدی کے بعد ہادی تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں رجعت یعنی واپسی امام مہدی و ملاحم پر کثرت سے حدیثیں تیار ہوئیں۔ حتیٰ کہ اسے ایک محکمہ صاحب الزنادقہ قائم کرنا پڑا۔ کئی واضعان حدیث گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ ہارون رشید کے زمانے میں بھی اِن کی تلاش جاری رہی جو زنادیق حکومت کے کلیدی عہدوں پر چھائے ہوئے تھے۔ معزول ہوئے اور مارے گئے۔ جن میں برامکہ مشہور ہیں۔ ایک زندیق (شیعہ) عبدالکریم واضع حدیث گرفتار ہوا تو کہا جو چاہو سلوک کرو۔ کئی لاکھ احادیث نبوی وضع کر چکا ہوں جو دُنیائے اِسلام کے کونے کونے میں پہنچا دی گئی ہیں۔ اور اب تمہارے یا تمہاری نسلوں کے مٹانے سے بھی قیامت تک نہ مٹ سکیں گی۔

ابن ندیم نے زنادقہ (باطنیوں) کے اکابر کی فہرست تیار کی اور اس کا نام، الفہرست رکھا یہ سب بظاہر مسلمان اور بہ باطن مانی و بہزادک کے چیلے (مجوسی و آتش پرست) تھے۔'' خواجہ صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

کہ ماموں رشید کے زمانے میں زنادیق (باطنیوں) نے پھر زور پکڑا۔ ماموں کی ماں ایرانی نژاد مجوسن تھی۔ اِس کے عہد میں بابک خرمی نے علم بغاوت بلند کیا۔ بابک کو دعوٰے نبوت والوہیت تھا عجمی طاقت کا اندازہ صرف اُس بات سے لگایا

جا سکتا ہے۔ کہ بابک کو ماننے والوں نے کم سے کم تین لاکھ مُسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ تفصیلی حوالہ صرف اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ ذخیرہ احادیث کے جعلی ترین کی نشاندہی ہو سکے اور سچّی اور حقیقی حدیثوں کے لئے راستہ کُھلا رہے۔ کیونکہ حدیثوں سے بہرحال فائدہ ضرور ہے اُنہیں تاریخ کے طور پر پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اعتراض اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ رحلتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کے سو سال بعد حدیثوں کے جمع کرنے کا کام شروع ہوا؟ اور وہ بھی اس لئے کہ اختلافی روایتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم سے دُور کر کے شرک و کفر میں مُبتلا کر دیا جائے۔

اِس مفسدے کو بنو اُمیہ نے رُوکا تھا مگر وہ ختم نہ ہو سکا۔ انڈر گراؤنڈ کام جاری رہا۔ بنو عبّاس کے ہاشمی دور میں اِس تحریک نے جو زور پکڑا وہی بالآخر اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔ بنو عبّاس نے باطنیوں زندیقوں اور عجمیوں کی مدد سے عنانِ حکومت حاصل کی تھی اور ہمیشہ اِن کے اشاروں پر چلتے رہے کبھی کبھی حالات نے اِن اثرات سے نکلنے کا موقعہ دیا مگر اِن سے فائدہ اٹھانا اور مستقل طور پر اِن اثرات سے محفوظ ہو جانا اِن کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ وہ خود اسلام سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔

پہلا مُسلمان جامع حدیث

مذکورہ خرابیوں کے زیر نظر خلیفہ منصور عبّاسی نے مکّہ و مدینہ کی طرف ہدایت کے لئے نظر اُٹھائی تو ایک اللہ کا بندہ اور سچّا مومن موجود پایا۔ اِس سے کہا مجھے مستند حدیثِ رسُولؐ جمع کرنے کا شوق تھا۔ مگر امور جہان بانی کی ذمہ داریاں اجازت نہیں دیتیں۔ کہ لکھنے پڑھنے کا کام کر سکوں میں چاہتا ہوں کہ یہ کام آپ سرانجام دیں اور احتیاط برتیں کہ کوئی غلط بات رسُول اکرمؐ سے منسُوب نہ ہو جائے۔ اور یہ خرافات جو عجمیوں نے پھیلا رکھی ہے ختم کی جا سکے۔ امام مالک (۹۵ ہجری تا ۱۹۷ ہجری) ایک عربی النسل فرزند اِسلام نے پیچ

کو جھوٹ سے الگ کرنے اور صرف سچ کو اُمتِ محمدیہ کے سامنے پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اِس نے دس ہزار حدیثوں میں سے پانچ سو (۵۰۰) ثقہ اور قابلِ اعتماد حدیثیں چُن کر ایک کتاب تیار کی اور اُسے خلیفہ وقت کے دربار میں پیش کیا مگر اب خلیفہ منصور مَر چکا تھا۔ ہارون رشید سر پر آرائے خلافت تھا۔ اِس کے دربار کے روحِ رواں جعفر برمکی اور ہشام جیسے شیعہ بزرگ تھے۔ آخر الذکر کی سیرۃ النبی دُنیائے اِسلام میں سیرت پر پہلی اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آپکے عقائد کا اندازہ اِس لطیفے سے ہو سکتا ہے۔

لطیفہ ایک مرتبہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ابو محمدؒ ہشام بن الحکم علیہ الرحمۃ سے سوال کیا: "کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز کے دُو دعویدار ہوں اور دُونوں حق پر ہوں" ہشام نے کہا "یہ ممکن نہیں اِن میں ضرور ایک سچّا نہ ہو گا" یحییٰ نے کہا: علیؓ و عباسؓ نے میراثِ رسُولؐ کا دعویٰ کیا تھا اِن میں کون حق پر تھا اور کون کاذب تھا" ہشام اس بے ڈھب سوال سے سخت حیران ہوئے۔ اگر عبّاس (عمِّ رسُولؐ) کو کاذب کہتے ہیں تو ہارون رشید کا خُوف ہے اور اگر حضرت علیؓ کو کاذب بناتے ہیں تو کافر ہوتے ہیں۔ آخر سوچ کر کہا۔ حضرت داوٗدؑ کے پاس دُو فرشتے مقدمہ لے کر آئے تھے، اِن میں کون کاذب تھا؟ یحییٰ نے کہا"۔ وہ تو فرضی مقدمہ لائے تھے۔ اِس سے حضرت داوٗد علیہ السلام کی تنبیہ مقصود تھی کہ ۹۹ بیویاں رکھتے ہوئے کسی غریب کی ایک بیوی چھین لی تھی" ہشام نے کہا" بس اسی طرح یہ دُونوں صالح تھے ان کا مطلب ابوبکرؓ کو تنبیہ کرنا تھا جیسے فرشتوں نے حضرت داوٗد علیہ السّلام کو تنبیہ کی تھی (تفریح الشیعہ، مطبوعہ امامیہ کُتب خانہ، لاہور)

چنانچہ امام مالکؒ کی حدیثوں کو دیکھ کر (جس کا نام اُنہوں نے موطا رکھا تھا یعنی چھان بین کر مصفا اجزا فراہم کرنا) حضرت ہشام نے اِن پر اعتراض فرمایا کہ "آپ نے اِس میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبدُ اللہ بن عبّاسؓ سے بہت کم روائتیں لی ہیں۔ اِس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟" امام مالکؒ نے جواب دیا۔ "یہ دُونوں حضرات اپنے مدینے کے قیام میں حدیثِ رسُولؐ کے راوی نہ تھے۔ اِس لئے اہلِ مدینہ و مکّہ اِن کی

روائتوں سے واقف نہیں۔ ممکن ہے کہ اُنہوں نے کوفہ و بصرہ کے دورانِ قیام میں یہ کارِ خیر اختیار کر لیا ہو (اِس لئے صرف کوفی و بصری ہی اِن کی حدیثوں سے واقف ہیں) تاہم جو حدیثیں اِن حضرات سے اہلِ مدینہ کو مِلی ہیں وہ اِس میں موجود ہیں۔"

ظاہر ہے یہ جواب خلیفہ عجم اور اِس کے درباریوں کے لئے قابلِ قبول نہ ہو سکتا تھا۔ ہشام صاحب نے بڑی ہوشیاری سے عبدُ اللہ بن عبّاسؓ کا نام علیؓ کے ساتھ ملا کر بادشاہ کی دُکھتی رگ پکڑ لی تھی۔ وہ امام مالک کی کتاب کو سرکاری منظوری کیسے دیتا۔ چنانچہ اِن کی کتاب رد کر دی گئی اور یہ کام کوفہ و بغداد کے عجمیوں کے سُپرد کر دیا گیا۔ جنہوں نے صحاح ستہ بھی لکھ ڈالیں اور سیرتِ النبویؐ بھی تیار کر لی۔ جو آج ہماری اِسلامی دُنیا کی مایہ ناز کتابیں ہیں۔ مگر موطا اِن میں شامل نہیں ہے۔

موطا کے بارے میں امام بخاریؒ کا قول ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسانید امام مالکؒ نے ابن عمرؓ سے بذریعہ نافع جمع کی ہیں۔ پھر بھی کوفہ و بغداد کے عجمیوں نے اُنہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہی تھی کہ عجمی دماغ اِسلام کے سیدھے سادے سچ کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ کوہ قاف کی پریوں اور دیوؤں کے قصّے سُن کر پلا بڑھا تھا۔ اسلئے ایسی روائتیں جن میں طلسماتی رنگ نہ ہو اُنہیں پسند نہ آتی تھیں ہمارے باطنی بھائیوں نے اِسلام میں یہ کمی اپنی حدیث سازی کے ذریعہ پُوری کر دی اِس موقع پر امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کی ایک ایک حدیث بطور مثال پیش ہے۔

اوقاتِ نمازِ عرب روایت

امام مالکؒ لکھتے ہیں:۔ "ابو مسعودؓ انصاری نے حضرت مغیرہؓ سے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام آئے اور اِن کے ہمراہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز ادا فرمائی۔ پھر دُوسرے تیسرے اور چوتھے وقت کی نماز بھی ساتھ پڑھی۔ اِس طرح پانچ نمازوں کے اوقات مقرّر ہوئے۔ یہ روایت بشیر بن ابی مسعود انصاری سے لی گئی" (موطا امام مالک)

عجمی روایت: ۔ مگر عجمی دماغ اِس سیدھی سادی روایت سے مطمئن نہ ہو

سکا۔ نمازوں کے اوقات اور تعداد نماز کے لئے اُنہیں زیادہ مفصل حدیث کی ضرورت پڑی تو تیسری صدی ہجری میں امام بخاریؒ متوفی ۲۶۱ھ نے وہ کمی اس طرح پوری فرمائی۔ اختصار کے لئے یہ روایت مودودی صاحب کے الفاظ میں سُنئے۔

(۱) رسُولؐ اللہ، جبرئیلؑ کے ساتھ سفرِ معراج کو چلے چھ آسمان پار کر کے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیلؑ ٹھہر گئے۔ آپؐ تنہا آگے بڑھے۔

(۲) ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ جلال سامنے تھی ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔

(۳) ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

(۴) پیش خداوندی سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مُلاقات ہوئی۔ انہوں نے روداد سُنی اور کہا میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی اُمت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی — جائیے اور کمی کے لئے عرض کیجئے۔

(۵) آپ واپس گئے اور اللہ جل شانہٗ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر وہی بات کہی۔ اُن کے کہنے پر آپؐ بار بار اُوپر جاتے رہے اور دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حُکم ہوا۔ اور فرمایا گیا۔ کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

(۶) واپسی کے سفر میں آپ اسی سیڑھی سے اتر کر بیتُ المقدّس آئے یہاں تمام پیغمبرؑ موجود تھے آپؐ نے اُن کو نماز پڑھائی۔ جو غالباً فجر کی نماز تھی۔

(۷) پھر بُراق پر سوار ہوئے اور مکّہ آئے۔ اب ذرا اس روایت کے رموز سُنئے۔

ف[۱] :۔ چھ آسمانوں تک جانے کے لئے تو حضرت جبرئیلؑ کی رہبری کی ضرورت تھی۔ مگر ساتویں آسمان پر اللہ میاں کا مکان ڈھونڈنے کے لئے اُن کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ گویا وہ بھی کوئی محلہ تھا جیسے صدر میں پہنچ کر آپ کو ایوانِ صدر تلاش کر لینے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

ف[۲] :۔ اللہ تعالیٰ کا گھر ایک ٹیلے پر بنا ہوا تھا جو سطح دہموار تھا۔ گویا اللہ میاں کا دیا ہوا اپنا پتہ غلط ہے۔ اُنہوں نے قرآن میں فرمایا ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی ہماری کرسی اتنی بڑی ہے کہ وہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں وہ ٹیلے پر ایک چھوٹے سے بنگلے میں مقیم تھے۔ یعنی وہ لامکان نہیں ہیں۔

ف[۳] :۔ ہر روز پچاس نمازوں کا حُکم دے دیا۔ خدا کو معلوم نہ تھا کہ دُنیا کی دن صرف ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے اس میں پچاس نمازیں ۲۴/۵ پڑھنے کے معنی تھے کہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد نماز پڑھی جائے۔ نہ رات کو سوئیں نہ دن کو آرام کریں پھر بھی دو نمازیں رہ جائیں۔ یعنی صرف اڑتالیس ادا ہوں۔ اور اگر دن کے دن پڑھی جائیں تو ۱۲/۵ نمازیں گھنٹے میں چار ہوئیں۔ اور دو بچ جائیں گی۔

ف[۴] :۔ رسُولؐ اللہ کا بھولا پن ظاہر کیا گیا ہے اِن کو بھی معلوم نہ تھا کہ اُمت اتنی ساری نمازیں اتنے قلیل عرصے میں کیسے پڑھے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا وہ حُکم بھی بھول گئے۔ جس میں دن رات کے کام بتلا دیئے گئے ہیں۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ یعنی رات کو پردہ مقرر کیا ہے اور دن بنایا ہے کہ اس میں تُم تلاش معاش کرو پھر یہ پچاس نمازیں کیسے ادا ہوں گی۔

اب لُطف کی بات سُنئے۔ رسُولؐ اپنے آقا سے اُمت کے لئے نئے احکام لے کر آ رہے تھے۔ راستے میں موسیٰ علیہ السلام مل گئے۔ پُوچھا بھائی مُحمّد بتاؤ تم میں اور اللہ میاں میں کیا باتیں ہوئیں۔ اور جب سُنا کہ اُمتِ محمّدی پر پچاس نمازیں فرض ہو گئی ہیں اور سب کی سب باوضو، باستنجا باطہارت پڑھنی ہوں گی تو سر پیٹ لیا اور کہا، میری اُمت نے ہفتے کے ہفتے ایک نماز پڑھ کر نہ دی۔ تمہاری اُمت ایک دن میں پچاس نمازیں کیسے پڑھے گی۔ جاؤ اللہ میاں سے کہو یہ حُکم غلط ہے۔

ف[۵] :۔ میں خدا کی دھاندلی دکھلائی گئی ہے ایک تجربہ کار نبی کے مشورے سے رسولؐ حکم میں تبدیلی کروانے گئے تھے۔ مگر وہ کچھ سُننے اور سمجھنے پر راضی نہ

ہو اصرف دس نمازیں کم کردیں چنانچہ رسُول کو بار بار عرش سے ساتویں آسمان تک چڑھنا اُترنا پڑا۔ اِس سے آپ کو آسمانوں کے فاصلے بھی معلوم ہو گئے۔ یقیناً وہ اسٹیٹ بنک کی طرح کوئی عمارت تھی جہاں لفٹ کے ذریعہ چڑھنا اُترنا تھا خُدا کا آفس آٹھویں منزل پر تھا۔

ف ۶:- چنانچہ بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ عرش سے لے کر بیت المقدس تک ایک سیڑھی کے ذریعہ رسُول اُترے اور پھر بُراق پر بیٹھ کر مکہ واپس آئے یعنی بُراق صرف دُنیاوی سفر کے لئے تھا۔ آسمان پر نہ جا سکتا تھا۔ کیا یہ کوہ قاف والا عرش تھا۔ جہاں سبز رنگ کے گھوڑے اُڑتے ہیں اپولو کے محل کی تصویر دیکھئے اور مُسلمانوں کا اعتقاد ملاحظہ فرمائیے۔

ناظرین نے محسوس کر لیا ہو گا کہ عجمی دماغ محیر العقول اور ناقابل یقین دیومالائی قصّے بنانے میں کتنا تیز رہا ہے اور اُن کے عوام اُنہیں باور کرنے کے لئے کیسے تیار رہتے ہیں۔ بخاری کی یہ حدیث امام مالک کی حدیث پر صرف اِس لئے سبقت لے گئی کہ اِس میں جھوٹ ہی جھوٹ تھا بلکہ یہودی شرارت تھی۔ جس نے چاہا کہ مُسلمانوں کو یقین دلا دے کہ موسیٰؑ نہ ہوتے تو محمدؐ اور ان کے خُدا نے مُسلمانوں کو کہیں کا نہ رکھا تھا۔ اِن بیچاروں کو دن رات نمازوں سے فرصت نہ ملتی۔ حج روزہ اور جہاد کیا کرتے۔ روٹیوں کو مُحتاج ہوتے۔ دُوسروں کی خیرات پر جینا پڑتا۔

پاکستان میں روافضی اور اُن کے حاشیہ بردار مُلاؤں نے حدیثوں پر رائے دینے والوں کو منکرِ حدیث کا لقب دے کر مطعون کرنا اپنی آبائی عادت سے مجبُور ہو کر شروع کیا ہے۔ لیکن اِس میں کوئی ندرت نہیں اِن کے بزرگ بھی اِسی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔

جب جھُوٹے مدعیانِ اِسلام یعنی عجمی مجوسیوں اور یہُودیوں نے حدیث سازی شروع کر دی تو سچے مسلمان اِن کے جھوٹ اور افترا کا پردہ چاک کرنے کھڑے ہو گئے۔ الطاف حسین حالیؔ نے اِسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبی کا ۔۔۔ لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ۔۔۔ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا ۔۔۔ مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا ۔۔۔ ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا نہ صُوفی کو چھوڑا

مگر وہ کتابیں چھپا دی جاتی ہیں۔ اور مَولوی وہی الاپتا ہے جس سے اِس کی مُلائی چمکے وہ مخدوم بن کر خُدام کو لوٹ سکے۔

قرآن عجم کی تیاری

آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ کوشش صرف من گھڑت حدیثوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ بابل و نینوا کی سرزمین نے ایسے لوگ بھی پیدا کر دیئے جنہوں نے قرآن کے مقابلے کی کتابیں تیار کر دیں۔ اِن میں ایک صاحب نے اپنا فارسی کلام تیس پاروں میں جمع کر کے پیش کر دیا۔ اور اِس کی تعریف میں لکھا ؎

ماز قرآن مغز را بر داشتیم ؛ استخوان پیش سگاں انداختیم

یعنی ہم نے قرآن عربی سے اِس کا مغز نکال کر اپنی اِس کتاب میں جمع کر دیا ہے جو فارسی میں ہے۔ اور ہڈیاں چھچھڑے وغیرہ جو عربی میں رہ گئے ہیں۔ وہ عربی دان کتّوں کے لئے چھوڑ دیئے ہیں۔ اور یہ حربہ کامیاب ہو گیا عجمی مُسلمان اِس فارسی قرآن سے اخذِ دین کرنے لگے جس میں، وجد، مراقبہ، حال، ناچنا، لوٹنا، خرقہ اُتارنا اور ایک دُوسرے سے چمٹنا، بوس و کنار کرنا ہی اِسلام بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ اب مُسلمان ڈنکے کی چوٹ پر کہنے لگے ؎

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را ؛ محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

یعنی پیر جی ہمارے ساتھ آ بیٹھیں تو ناچنا، تھرکنا شروع کر دیں اور نچانیدار و کونوال ہماری صحبت میں بیٹھ کر دُدھ گھونٹ پی لیں تو عمر بھر شرابیوں کے مُنہ نہ آئیں پھر قرآن عجم کے بارے میں فتویٰ دیا گیا۔ ؎

مثنوی مولوے معنوی ٭ ہست قرآن در زبانِ پہلوی

عجمی قرآن کو پاکر عجمی مُسلمانوں کو عربی قرآن کی ضرورت نہ رہی۔

اِس قرآنِ عجم میں لکھا ہے۔ ؎

شکرانہ آں کہ روزہ خوردم رمضان ٭ در عید نماز بے طہارت کردم

یعنی میں رمضان کے روزے کھا گیا اور کوئی باز پرس نہ ہوئی تو بطور شکرانے کے نمازِ عید بے طہارت ہی ٹرخا آیا۔ سبحان اللہ کیا اسلام تھا آپ کا اور آپ کے ماننے والوں کا۔

اِس کا نتیجہ آپ نے دیکھا۔ قرآن عربی کو طاق میں رکھ دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اِسے سمجھنا محال ہے۔ یہ بدل دیا گیا ہے۔ اس میں علیؓ کی منقبت کے سُورے نکال دیئے گئے ہیں۔ صحابہؓ کی تعریف کی آیات شامل کر دی گئی ہیں۔ پس علیؓ کے پرستار اِسے قبول نہیں کر سکتے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

قرآن کی بے حُرمتی

مُسلمانوں نے قرآن سے ہدایت لینا چھوڑ دیا مگر اس کی افادیت کے منکر نہیں ہیں۔ چنانچہ جب کوئی مرجاتا ہے تو قرآن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ اگر قرآن پڑھوا دیا جائے تو اس کے سارے گناہ اور سب بداعمالیاں مُعاف ہو جاتی ہیں چنانچہ باقاعدہ دعوت دے کر لوگوں کو قرآن پڑھنے کے بعد پلاؤ، زردہ کھلایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ رسم اِسلامی نہیں ہے بلکہ ہندوؤں سے سیکھی گئی ہے۔

ہندو مذہب میں پنڈت کو بلا کر کتھا پڑھوائی جاتی ہے پھر پانڈوں کو لڈو پوری اور شیرہ کھلایا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ جتنا زیادہ برہمنوں کو کھلایا جائے گا پرماجی خوش ہوں گے۔ یہ لوگ پیسے دے دے کر لڈو کھلواتے ہیں۔ سُنا ہے کہ جب مزید لڈو کھانے سے پنڈت جی انکار کرتے ہیں تو فی لڈو سو سو روپے دے کر کھلاتے ہیں۔ شیعوں کے یہاں قرآن خوانی کے لئے بلا کر مجلس پڑھائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے بریلوی عقائد کے لوگ قرآن کی جگہ قل ھو اللہ پڑھواتے ہیں۔ اِسی لئے یہ رسم قل کہلاتی ہے اِسلام سے اِن رُسوم کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلیوم تجزیٰ کلُّ نفسٍ بما کسبت۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا۔ اللہ لوگوں سے رشوت نہیں لیتا۔ ورنہ تمام راشی، چور ڈاکو جو دولت چھوڑ جاتے ہیں اور اُن کے ورثا شاندار سوم و چہلم مناکر مولویوں کو گوشت روٹی اور پلاؤ کھلا دیتے ہیں۔ سب جنتی بن جائیں اور ایماندار نیک لوگ جو حرام کی کمائی چھوڑ کر نہیں مرتے۔ دوزخ کا ایندھن بن جائیں اللہ ان گمراہوں کو ہدایت دے جو قرآن کی اِس طرح بے حُرمتی کرتے ہیں کہ جہاں کوئی مرا عربی قرآن کی ضرورت پڑ گئی سب جمع ہوئے آپس میں سپارے تقسیم کرکے پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھنا آئے یا نہ آئے پڑھو صحیح پڑھو یا غلط مگر قرآن ختم کر دو تاکہ مُردے کی رُوح اِس ہوائی ثواب پر سوار ہو کر سیدھی جنّتُ الفردوس پہنچ جائے

بعض خُدا ترس اور دیندار حضرات تو قرآن عربی کے اِس قدر معتقد ہوتے ہیں کہ بلاؤں کے دفعیہ اور برکت کے لئے اچھے سے اچھا قیمتی نسخہ لاکر گھر کی سب سے اُونچی کارنس یا طاق میں رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

مُسلمانان در گور مُسلمانی در کتاب

قبلہ وکعبہ کی بے حُرمتی

مُسلمانوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ سارے جھوٹے اور فانی معبُودوں کی پرستش سے رُک

دیا گیا تھا تاکہ وہ ایک ذات واحد کو ماننے والے موحد بن جائیں اور کسی دُنیاوی طاقت کے سامنے نہ جُھکیں خواہ بادشاہ یا وزیر ہو خواہ ولی اور پیر چنانچہ مُسلمانوں نے جب وہ مُسلمان تھے نہ رسُولؐ کو پُوجا نہ کسی ولی اللہ اور امام کو مانا۔ اور نہ قیصر و کسریٰ کے سامنے جُھکے نہ مقبرے اور مزار پُوجے۔

مگر ایک دُنیاوی چیز کا احترام کرنے کی اجازت دے دی گئی اور وہ تھا خانہ کعبہ جس کے سامنے جُھکنا جس کی زیارت کے لئے دور دراز سے آنا اِس کے غلاف کو پکڑ کر دُعا کرنا تو بہ کرنا رُونا گڑگڑانا اور اِس کے در پر جُھک کر سجدہ کرنا جائز کر دیا گیا تھا۔ ہمارے عجمی بھائیوں نے جو نہ خود وہاں جانا چاہتے ہیں نہ اُن کو اپنے اصلی رنگ دروپ میں جلنے کی اجازت ہے اور اِس کا اُنہیں اعتراف بھی ہے سے

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تُم کو مگر نہیں آتی

ہمارے قبلے و کعبہ کی اہمیت کو ختم کرنے کے لئے "مجاز" کا رنگ چڑھا کر اُن الفاظ کا استعمال اِس درجہ عام کر دیا کہ ہر کس و ناکس کو قبلہ و کعبہ کے الفاظ سے یاد کرنے لگے۔ یعنی اِنسان کا مرتبہ بڑھا کر قبلے و کعبے کے برابر کر دیا تاکہ جمہور مُسلمانوں کی نظر میں قبلہ و کعبہ کی بڑھی ہوئی اہمیت گھٹ کر ختم ہو جائے بس اِس کا نتیجہ وہی نکلا جو وہ چاہتے تھے۔ قبلہ و کعبہ قسم کے لوگ گلی گلی کوچے کوچے پھرنے لگے جہاں دیکھو اور جب چاہو اِن سے ملاقات کر لو اور اصل قبلہ و کعبہ کی طرف رُخ نہ کرو۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ شیعہ اپنے بزرگوں کو اپنے متبرک مقامات کے نام سے پُکارتے جیسے نجم الحسن کرادی نجف اشرف مدظلہٗ یا کفایت حسین صاحب کوفہ شریف اور بشیر صاحب کربلائے معلےٰ وغیرہ اور قبلہ و کعبہ کو مُسلمانوں کے لئے قابلِ احترام رہنے دیتے۔ مگر افسوس تو اِن سُنّی عُلماء پر ہے جو خود بھی ایک دُوسرے کو قبلہ و کعبہ و قبلہ گاہی لکھتے ہیں اور عربی دانی کا زعم بھی رکھتے ہیں۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

ہندوستانی اسلام پر شیعی اثرات

ابھی تک ہم نے اِسلام پر عجمی اثرات دکھلائے ہیں۔ اب چند نمُونے اپنے ہندوستانی اِسلام کے مُلاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ آپ خود کتنے پانی میں ہیں۔ اور علّامہ اقبال نے جو اعتراف کیا ہے کہ وہ ہندی کافر ہیں مُسلمان کہلانے کے لائق نہیں تو یہ کہاں تک درُست تھا سے

یہ کافر ہندی ہے بے تیغ و سناں خوں ریز

السّلام علیکم کا بدل

اِسلام نے مُسلمانوں کو آپس میں ملاتے اور اِن میں اُخوّت و بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے حکم دیا تھا کہ جب اپنے کسی مُسلمان بھائی سے مِلو تو کہو السّلام علیکم یعنی آپ پر سلامتی ہو شمالی ہند میں شیعی اثرات نے اِس کے بدلے آداب عرض ہے ایجاد کیا۔ جس سے اسلامی مساوات کا تصوّر زائل ہو گیا اور یہ غُلاموں کی طرح جُھک جُھک کر آداب بجالانے لگے۔ بندگی اور تسلیمات عرض کرنے لگے۔ کیوں کہ غُلامانہ ذہنیت لے کر پیدا ہوئے تھے

لاحول کا غلط استعمال

اِسلام نے مُسلمانوں سے توہم پرستی یعنی بھُوت پریت سے ڈرنے اور بدرُوحوں سے خائف رہنے کی عادت نکلانے کے لئے ایک آیت مبارک تبلائی تھی کہ جب تمہارے دل میں شیطانی وسوسے یا جن بھُوت کا خُوف پیدا ہو تو کہو لاحول ولا قوت الا باللہ، یعنی دُنیا میں کوئی قوت یا کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جس سے اِنسان ڈرے سوائے اللہ کے۔ شیعوں نے اِس آیت مبارکہ کو گالی بنا دیا۔ اُمی لاحول بھیجئے۔ بلکہ اِسے لاحول بِلا قوت بولنے لگے۔ حتیٰ کہ یہی بات حضرت حسینؓ سے کہلوا دی سے

میں ! اور اطاعت یزید گمراہ،

لاحول ولا قوت الا باللہ!

یعنی یہ قرآن کی آیت جو انسان کو نڈر اور باہمت بنانے کے لئے تھی تاکہ مسلمان جانوروں، بھوتوں، چڑیلوں اور شیطانوں سے بے خوف ہو جائیں۔ ناکارہ بنادی گئی۔ اور انہیں شیر گھوڑے اور مردہ بزرگوں کی عظمت کے گن گانے، پوجنے سے لگا دیا گیا۔

خلیفہ کی تحقیر آپ جانتے ہیں شیعہ خلفائے اسلام سے بغض رکھتے ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ آپ نے بھی سنا ہوگا۔ بعض روافض کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ اجی لعنت برسے۔ اور آپ کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ دراصل کہتا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "لعنت برسہ" یعنی تین پر لعنت۔ اور یہ تین خلفاء ثلاثہ۔ ابوبکرؓ عمرؓ و عثمانؓ رضوان اللہ علیہم ہیں جن سے اسے آبائی بغض ہوتا ہے۔ اسکی دوسری شکل وہ ہے جس میں آپ خود بھی مبتلا ہوں گے۔ وہ یہ کہ اب یہ لفظ خلیفہ جو ہمارے جلیل القدر بانیانِ اسلام کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہندوپاک میں حجام کے لئے مستعمل ہے یعنی خلیفہ کی حیثیت حجام سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے توبہ کیجئے اور آئندہ احتیاط برتیئے۔

ہندوستان میں ایک مشہور کتاب داستانِ امیر حمزہؓ چھپی تھی اور نوابانِ اودھ کی سرپرستی میں چھپی تھی۔ اس میں عمرو عیار اور عمرو عیار کی زنبیل کا ذکر آپ نے بھی سنا ہوگا۔ جسے مسلمان جہالت سے عمر عیار پڑھتے رہے ہیں۔ اور نہ سمجھے کہ یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہانت کے لئے ایک فرضی کردار پیش کیا گیا تھا جس کا مقصد پورا ہوگیا یعنی ہمارے جاہل اسلاف حضرت عمرؓ کو عیار (مکار) کہتے رہے اور نہ شرمائے۔ حالانکہ بڑے بڑے دانش منداور تعلیم یافتہ مولانا اور شمس العلماء بن کے مرگئے۔ اور آج بھی ایم اے، بی اے عالم فاضل بنتے ہیں مگر کوئی احتجاج نہیں کرتے۔ سعدی نے ایسے عالموں کے بارے میں سچ کہا تھا۔ چارپائے برو

کتابے چند، یا کہا تھا۔ ؎

پرتوئے نیکاں نہ گیرد آنکہ بنیادش بداست

تربیت نااہل راچوں گردگاں برگنبداست

شہید اور شہدا کا فرق ہم اپنی کتاب "سبائی سبز باغ" میں بتلا چکے ہیں کہ شیعت اسلام کی دشمن ہے یہ صرف خلفاء کی تحقیر پر اکتفا نہیں کرتی۔ اپنے اماموں کو بھی نہیں بخشتی ہے۔ شیعوں کے شہید صرف پانچ ہیں۔ جن میں تیسرے علامہ شوستری ہیں جو شہید ثالث مشہور ہیں۔ بادشاہ جہانگیر نے اُن کو گدی سے زبان کھینچ کر قتل کروا دیا تھا۔

ان پانچ شہیدوں کا تعلق کربلا کے سیدالشہداء سے نہیں ہے۔ جنہیں چارجوی صاحب نے شہید نینوا لکھا ہے۔ ہم پریشان تھے کہ کربلا میں شہید ہونے والے بزرگ کا تعلق نینوا سے کیسے ہوگیا جو وہاں سے تین چار سو میل دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ نقشہ عجم دیکھئے۔ مگر آغا سلطان مرزا کا مضمون تہذیب بابل ونینوا سے پتہ چلا کہ نمرود یعنی شداد نے نینوا کا شہر آباد کیا۔ اس میں ایک جنت ارضی بنائی۔ حوریں اور غلمان رکھے۔ سونے چاندی کے برتن فراہم کئے۔ اور دیواروں پر زمرد و الماس جڑوائے مگر جوں ہی اُس جنت کے دروازے پر پہنچا پیامِ اجل آگیا۔ اور تلمیح سمجھ میں آگئی۔ حضرت حسین کو کوفیوں نے بلایا فصل تیار ہے پھل پک گئے ہیں۔ آئیے اور ہاتھ بڑھا کر باغ رضوان پر قبضہ کرلیجئے لیکن جب سرحد پر پہنچے نقشہ بدل گیا لینے کے دینے پڑگئے واقعی چارجوی صاحب نے خوب سوچ کر حضرت حسین کو یہ خطاب دیا ہے۔ سبحان اللہ!

آپ سمجھتے ہیں شہید کی جمع شہدا ہے یعنی کئی شہید۔ شہدا کہلاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ شیعہ معاشرے میں شہدا کوئی اور شے ہے۔

الطاف حسین حالی بتلاتے ہیں ؎

اگر کیجئے ان پاک شہدوں کی گنتی ٭ ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی

مِل خاک میں جن سے عزّت بڑوں کی ٭ مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی!

چنانچہ ہمارے لکھنؤ میں سیاہ قمیض سفید پاجامے میں ننگے سر ننگے پاؤں پھرنے والوں کو شہدا کہا جاتا تھا۔ یہ مومنین کے مُردے اُٹھاتے نہلاتے دُھلاتے اور دفناتے تھے۔ اور محرم میں سوز و نوحے پڑھتے اور ماتم کر کے پیٹ پالتے تھے۔ بعض لوگ اِن کی خدمات اپنے بزرگوں کے ماتم اور نوحہ کے لئے بھی حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا غالب بھی ایسے کسی بزرگ کو نوکر رکھنا چاہتے تھے۔ مگر مقدور نہ رکھتے تھے

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔

ہندوستان میں شہدا اور شہدے کو شُہدے بھی کہتے ہیں بعض جگہ شُہدے بٹھانا یا شُہدے نکالنا سے مُراد عَلَم و تعزیہ رکھنا اور نکالنا مستعمل ہے۔ حالی نے اِن کو پاک شہدے کہہ کر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ اِن کا تعلق شیعہ فرقے سے ہوتا ہے شیعہ کے مجازی معنیٰ پاک کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے یہ لفظ شیعہ بُرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یعنی تفرقہ بازی،

شبیر و شبر کا بھید ہم نے مجلسوں میں سُنا تھا کہ حضرات حسنین کو جنت سے سبز و سُرخ جوڑے بھیجے گئے تھے اور ساتھ ہی شبر و شبیر کے خطابات بھی آئے تھے۔ اِن کے معنیٰ عربی لُغات میں تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ یہ عربی الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ فارسی میں شبّر و شپّیر موجود تھے اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ مرکب الفاظ ہیں۔ اِن کو شب پرا ور شب پیر لکھنا زیادہ دُرست ہے۔ شب پر کو شب پرہ بھی کہا جاتا ہے۔ سعدی نے کہا ہے۔

گر نہ بیند بہ روز شب پرہ چشم
چشمۂ خورشید را چہ گناہ!

پس وجہ تسمیہ یہ ہوئی کہ باطنی حضرات حضرت حسن سے ناراض تھے اِن کو مذل المومنین اور عار المومنین کہتے تھے۔ کیونکہ آپ نے امیر معاویہؓ سے صُلح کر کے عجمیوں کو زک پہنچائی تھی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ

فارسی بولنے والوں نے آپ کو شب پر کا خطاب دے دیا۔

آپ نے سُنا ہو گا کہ ایک بار چرند و پرند میں جنگ ہوئی تو شب پرہ، (چمگادڑ) حالات کے لحاظ سے کبھی ادھر ہو جاتا اور کبھی اُدھر۔ پرندوں سے کہتا میں اُڑتا ہوں، پرندہ ہوں چرندوں سے کہتا میں تمہاری طرح بچوں کو دودھ پلاتا ہوں، انڈے نہیں دیتا۔ اِس کی خاص عادت یہ تھی کہ وہ دن کو باہر نہیں نکلتا تھا۔ چنانچہ یہ نام حضرت حسنؓ کے حسب حال معلوم ہوا اور رکھا گیا۔

شب پیر اِسی طرح حضرت حسینؓ کو شب پیر بلا وجہ نہیں کہا گیا ہے۔ آپ باون سال کی عُمر میں خلافت حاصل کرنے رات کی تاریکی میں مدینے سے نکلے اور مکہ پہنچے بھرے سے بلا حج کئے رات کے اندھیرے میں نکل کھڑے ہوئے کوفے سے ایک منزل پہلے راستہ بدل کر چپکے سے دمشق کی طرف مُڑ گئے اور خلافت کی گدی کوفے میں انتظار ہی کرتی رہی چار منزلیں طے کر کے کربلا پہنچے تھے کہ حُر کوفی نے اپنے پچاس ساٹھ ہمراہیوں کے ساتھ جا لیا۔ اور کوفہ واپس چلنے پر اصرار کیا آپ نے تین دن تک اِس کے چنگل سے نکل بھاگنے کی کوشش کی اور رات رات بھر سفر کرتے رہتے مگر صبح ہوتی تو خود کو کربلا ہی میں پاتے (یعنی راستے سے واقف نہ تھے یا رات کو راستہ دکھائی نہ دیتا تھا) پھر کوفیوں نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ جانا نہیں چاہتے تو وہ خطوط ہم کو دے دیجئے جو ہم نے بھیجے تھے۔ آپ نے خطوط دینے سے انکار کیا تو جنگ چھڑ گئی دُونوں طرف کیے بہتر افراد مارے گئے۔ باقی کوفیوں نے خطوط تلف کرنے کے لئے حسینی قافلے کے خیموں میں آگ لگا دی اور بھاگ گئے۔ کوفہ پہنچ کر تو آہ بین بنے اور خود ہی واویلا مچانے لگے۔ اُنہیں حضرت حسینؓ سے شکوہ تھا کہ اِن کا کہا نہ مانا اور اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ پس اِن کو شب پیر کا لقب دیا گیا۔ یعنی جب کوئی اندھا کنوئیں میں گرتا ہے تو لوگ اندھے ہی کو بُرا بھلا کہتے ہیں کہ دکھائی نہ دیتا تو رات کو گھر سے کیوں

نکلا تھا۔ یہی نسب پسر شبیّر بن گیا ہے۔

کراری حیدر

آپ کرار اور حیدر کے معنی تو جانتے ہی ہیں۔ مگر شاید یہ نہ معلوم ہو کہ جناب حیدر نے کراری کس طرح کی تھی۔

یعنی باطنی اسلام کے مفروضہ بانی جناب امیر نے اس نئے اسلام کو پھیلانے میں کیا مساعی فرمائیں اور ان کی کوششوں کو شیعیت و طریقت پھیلانے میں کتنی کامیابی ہوئی۔ ہمارے باطنی بزرگوں نے تاریخ کے اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ صرف سمجھنے کی ضرورت ہے شیعہ کتب میں یہ واقعات دھڑلے سے بیان کئے گئے ہیں آغا سلطان مرزا لکھتے ہیں۔" کہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی اُمت مسلمہ میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور اصل اختلاف تھا ان کی جانشینی کا حضرت علیؑ کا دعویٰ تھا کہ وہ علاوہ داماد رسولؐ ہونے کے باطنی شریعت کے رسولؐ بھی تھے۔ رسولؐ کے وصی بھی تھے۔ پھر اللہ کے ولی بلکہ ولی عہد تھے اس لئے خلیفہ بننے کا حق ان کے سوا کسی کو نہیں پہنچتا تھا۔ مگر ہوا کیا ؟ کہ۔

"علیؑ تو رسولؐ کے کفن دفن میں لگے رہے۔ اور عمرؓ نے سقیفہ بنی سعد میں جا کر حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لی۔ اور ان کو نصب خلافت کر دیا (اس سے اُن کا نام ناصب اوّل پڑ گیا۔ الحمد للہ ہمیں بھی اس نسبت پر فخر ہے۔ ہم خود کو ناصبی کہلانے پر ناز کرتے ہیں۔ گو روافض اس نسبت کو بطور گالی استعمال کرتے ہیں۔

" کہتے ہیں حضرت علی نے اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا خلافت کو وہ اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ رسولؐ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اُنہوں نے علی کو پالا تھا (حالانکہ حضورؐ کے متبنّیٰ حضرت زیدؓ تھے نہ کہ علیؓ) چنانچہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے آپ حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر بٹھا کر مہاجر و انصار کے گھر گھر لے گئے اور اپنے حق میں کینوسنگ کروائی مگر ہر جگہ یہی جواب ملا کہ ہم تو ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے۔ اب اپنے عہد سے کیسے پھر سکتے ہیں۔ آپ پہلے آئے ہوتے

تو ہم ضرور غور کرتے۔

علیؑ نے کہا کیا میں رسولؐ کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی سعد میں جا کر الیکشن لڑتا لوگوں نے کہا آپ پہلے جانشینی کا معاملہ طے کر لیتے پھر ان کا جانشین شایان شان انتظام کفن دفن کا کر دیتا جس میں ساری اُمت شریک ہوتی۔ آپ کو مٹی دینے کی ایسی جلدی کیوں تھی۔ یہ کام تو اُمت کا تھا پیغمبرؐ کی وارث اُمت ہوتی ہے۔ داماد یا بیٹا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں اس جواب سے علیؓ کو اپنی قوم قریش سے نفرت ہو گئی آپ نے خلفاء قریش کی شان میں فرمایا۔

خلافت کو ابوبکرؓ نے تنگ کرتے کی طرح کھینچ تان کر پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرا مرتبہ ایسا ہے جیسے کیل کا چکی میں کہ بغیر کیلی کے چکی نہیں چلتی۔ اس پر بھی میں نے صبر کیا مگر اس طرح کہ اس صدمے سے گویا میری آنکھ میں خس و خاشاک پڑے ہوں اور حلق میں ہڈی پھنسی ہو۔

میں اپنی میراث خلافت کو لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے صاحب نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد اس خلافت کو عمرؓ کی طرف جھونک گئے افسوس اُنہوں نے خلافت کو ایک درشت مزاج کے حوالے کر دیا جس کا زخم گہرا اور جس کا چھونا تک ناگوار تھا جس میں لغزشیں بہت تھیں اور عذر گناہ بھی بکثرت تھے۔ پھر دُوسرے صاحب بھی دُنیا سے سدھارے تو خلافت کو ایسی جماعت کے حوالے کر گئے جنمیں میں بھی شامل تھا۔

تیسرے صاحب دُونوں پہلوؤں کو آنتوں اور معدے کے درمیان پھیلائے ہوئے قائم ہو گئے اور اُن کے ساتھ ان کے خاندانی رشتہ دار اٹھ کھڑے ہوئے جو مال خدا کو اس طرح کھانے جاتے تھے جیسے اونٹ فصل بہار کی دوب کھاتے ہیں۔

(ترجمہ آغا سلطان مرزا خطبہ شقشقیہ۔ البلاغ المبین صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵ حصہ دوم)

اور اپنی قوم قریش کی شان میں جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو اپنا خلیفہ رسولؐ تسلیم کر لیا تھا۔ ایک دُعا صنمی قریش بنا کر شیعوں کو دے گئے۔ جس میں مرتد و بے دین ہو جانے والے۔ ان کا حق غصب کرنے والے ان کی خلافت پر دُوسروں کو نصب

کرنے والے قریش صحابۂ کرام پر لعنت بھیجنا سکھا گئے ہیں۔ دیکھئے تحفۃ العوام مقبول از نجم الحسن کراروی۔

آگے معلوم ہوتا ہے کہ انہی وجوہ سے انہوں نے اہلِ قریش سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اِن کی دوستی عجمیوں سے ہو گئی ان کے خاص پانچ دوست جو دوسروں کے ساتھ کافر نہ ہوئے حسبِ ذیل تھے۔

(۱) سلمان فارسی ایک ایرانی غلام جونائی کا کام کرتا تھا۔ (۲) ہرمزان سابق ایرانی گورنر بصرہ جو گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان بن کر مدینے میں رہ پڑا۔ (۳) ابو لولو فیروز دوسرا ایرانی غلام (۴) ابوذر غفاریؓ (۵) مقداد جس نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔

ہرمزان اور ابو لولو (فیروز) ایرانی غلام جس کو ہمارے شیعہ بھائی بابا شجاع کہتے ہیں۔ اور اُس کے نام کی نسبت سے فیروزے کی انگوٹھی پہنتے ہیں۔ اور فیروز و فیروزہ نام اپنے بچوں کا فخر یہ رکھتے ہیں اسلامی تاریخ کے اہم کردار ہیں۔ انہوں نے ہماری تاریخ کا رُخ موڑ دیا ہے۔

اب مصر سے جو تین چار سو سال تک باطنیت کا گڑھ رہا ہے صحیح اسلامی تاریخ کے نام سے کچھ لٹریچر نکل رہا ہے جو مسلمانوں کے لئے سوہانِ روح ہوگا محمد حسین ہیکل مصری عمر فاروق اعظم (مطبوعہ کتبہ جدید لاہور) میں لکھتا ہے۔

شہادتِ خلیفہ ثانی

حضرت عمرؓ کے قتل کی سازش ہرمزان کے گھر پر تیار ہوئی اِس نے ابو لولو کو ایک خاص قسم کی چھری فراہم کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے جب وہ چھری دیکھی تو فرمایا۔ میں نے یہ چھری کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے فرمایا میں نے عمرؓ کے قاتل ابو لولو کو دیکھا جفینہ اور ہرمزان اُس کے ساتھ تھے وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ میں دفعتاً اِن کے پاس سے گزرا تو ایک خنجر اِن کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے۔

اور دستہ بیچ میں تھا۔ لوگوں نے دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا۔ اور یہ وہی عجمی تھے جن کے ساتھ حضرت علیؓ کا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ انہیں اُمید تھی کہ حضرت عمرؓ کو ہٹا دینے سے خلافت اپنے حقدار کی طرف لوٹ آئے گی مگر حالات نے پلٹا کھایا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے سُنا تو طیش میں آکر ہرمزان اور جفینہ کو قتل کر ڈالا اور فیروز یا ابو لولو خود کشی کر کے مر گیا۔ اِس طرح مزید تفتیش کے دروازے بند ہو گئے۔ اور آج تک اصل حال معلوم نہ ہو سکا۔ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دوسروں کو جنازے پر تعزیتی فقرے کہتے سنا تو فرمایا۔ ابن خطابؓ اللہ آپ پر اپنی رحمت کرے بنتِ ابی شمہ نے ٹھیک کہا۔ آپ نیکیاں لے کر جا رہے ہیں۔ اور دُنیا کی برائی سے محفوظ ہیں خدا کی قسم بنتِ ابی شمہ نے خود کچھ نہیں کہا اِس سے کہلوایا گیا ہے ص۳۰۔

یہاں اس آخری جملے پر سر دھنیے۔ گویا علیؓ نے جو کچھ کہا مجبوراً کہا تھا۔ اِس عجمی و عربی منافقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنی تاریخ کو جو عجمیوں کی لکھی ہوئی ہے بین السطور دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے بزرگ شیعہ اثرات سے بلکہ شیعہ اقتدار کے ڈر سے حقیقوں کو احترام و تقیہ کے پردوں میں چھپاتے رہے ہیں جہاں علیؓ کے خلاف بات ہلکی چھپا دی۔ معاویہؓ و عثمانؓ کا ذکر آیا تو بلند آواز سے بیان کر دیا۔ جیسے ہمارے مودودی صاحب کر رہے ہیں۔

اُنہی بزرگوں نے یہ سارے جھگڑے جو شہادتِ فاروقیؓ و عثمانیؓ سے متعلق تھے عربوں مسلمانوں اور خاص کر بنی اُمیہ کے سر تھوپ دیئے ہیں۔ حالانکہ معاملہ کچھ اور ہے۔

آیئے دیکھیں وہ کیسے مسلمان تھے جو رحلتِ رسولؐ کے چند سال بعد ہی آپس میں لڑنے مرنے لگے یقیناً یہ آپس میں لڑنے والے مسلمان سب ایک نہ ہوں گے اُن میں علاقائی، نسلی، نسبی، لسانی اور خاندانی اختلافات ہوں گے۔ جبھی تو پارٹیاں بن گئیں۔

ہمارے عجمی و باطنی مؤرخین فرماتے ہیں کہ علیؓ کے طرفدار عراقی و ایرانی ہو گئے

اور شیعانِ علیؓ کہلائے، ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ معاویہؓ ویزیدؔ کے ساتھی عرب شام اور مصر کے لوگ رہے۔ اور یہ خارجی، ناصبی، قریش و بنواُمیہ کے ناموں سے یاد کئے گئے۔

اس لئے ان جھگڑوں کو بنو ہاشم و اُمیہ کی آپس کی منافقت یا خاندانی بغض وعناد سمجھنا جہالت ہے۔ خاص کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ علیؓ کے سگے بڑے بھائی عقیلؓ بن ابی طالب حضرت معاویہؓ کی طرف سے شیعانِ علیؓ سے لڑ رہے ہیں۔ اور وہ بنو ہاشم ہونے میں علیؓ سے کم نہیں۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے تاریخ کے ساتھ تھوڑا سا جغرافیہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔ ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کی فتوحات سے خاص شہر مدینہ کی آبادی بھی محض عربوں پر مشتمل نہ رہی جس طرح اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر ایران عراق شام مصر اور اقصائے چین تک پھیل گیا تھا۔ اور یہ سب ممالک اسلامی ممالک کہلائے جانے لگے تھے۔ حالانکہ ان میں بیشتر ذمی مشرکین وکفار موجود تھے جنہیں جزیہ ادا کرنے کے بعد وہی شہری حقوق حاصل تھے جو کسی مسلمان کے ہوتے اسی طرح شہر مدینہ جو اسلامی دارالخلافہ تھا اب خالص عربی آبادی پر مشتمل نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجاہدین اسلام ممالک فتح کرتے اور وہاں سے لونڈیاں اور غلام مدینے بھیجتے رہتے جو حضرت عمرؓ عربوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کو بھی ایک لونڈی دی گئی تھی جس کا نام شہر بانو تھا۔ اسے مجاہدانِ اسلام ایران سے لائے تھے۔ ابھی حضرت حسینؓ کی عمر شادی کے لائق بھی نہ تھی۔ آپ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ایران ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ یعنی آپؓ کی عمر کل بارہ سال تھی مگر خدمت کیلئے لونڈی عطا فرما دیگئی۔

کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت سعد بن وقاصؓ نے مدینے کی مردم شماری کی تو معلوم ہوا کہ غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد عربوں سے تین گنا زیادہ تھی یعنی مدینے کے سینتیس ہزار عرب گھرانوں میں ایک لاکھ پینتیس ہزار عجمی (ایرانی، عراقی، مصری، حبشی) غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ ابو یوسفؒ لکھتے

ہیں کہ تعجب ہے کہ اتنی بڑی غلاموں کی جمعیت نے ایکا کر کے اپنے مٹھی بھر آقاؤں کے خلاف بغاوت کیوں نہ کی۔ کیونکہ یہ سب جنگجو سپاہی تھے۔ جو جنگوں میں گرفتار ہو کر غلام بنے تھے (مقتولین کے بال بچے اُس لئے لائے جاتے تھے کہ حکومت ان کی پرورش کرسکے اُس وقت تک یتیم خانوں اور بیوہ خانوں کا رواج نہ تھا)

انہی عجمی غلاموں میں بصرے کا ایرانی گورنر ہرمزان بھی تھا جو محض اپنی قوم کا بدلہ لینے کے لئے مدینے میں رہ پڑا تھا اس کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا اس کی تعریف خواجہ اجمیری سے سُنئے۔

عرب و عجم کے بادشاہ

دلیل العارفین میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی لکھتے ہیں کہ خواجہ بندہ نواز نے فرمایا۔

"حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عراق کا بادشاہ گرفتار کر کے لایا گیا (یہ بصرے کا گورنر تھا) حضرت عمرؓ نے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو عراق تجھے واپس دے دوں گا۔ وہ نہ مانا حضرت عمرؓ نے کہا اگر اسلام قبول نہ کرو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے اس نے پھر انکار کیا حضرت عمرؓ نے اسے قتل کرنے کے لئے تلوار طلب کی (گویا خود ہی جلادی بھی کرتے تھے) مگر عراق کا بادشاہ بہت چالاک اور عقل مند تھا اُس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اُسے شیشے کے برتن میں پانی پلانے کا حکم ہوا۔ اُس نے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا چونکہ یہ بادشاہ ہے اسے سونے یا چاندی کے برتن میں پلاؤ۔ وہ کہنے لگا۔ نہیں میں مٹی کے برتن میں پیوں گا۔ (یعنی حضرت عمرؓ کی حیثیت کے برتن میں پانی مانگا) جب مٹی کے برتن میں پانی پیش کیا گیا تو عراق کے بادشاہ نے کہا مجھ سے عہد کیجئے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وعدہ کر لیا اب عراق کے بادشاہ نے برتن زمین پر دے مارا اور پانی زمین میں جذب ہو گیا۔ پھر کہنے لگا آپ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب تک یہ پانی نہ پی لوں آپ مجھے قتل نہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ بادشاہ کی اس عقل مندی پر بڑے متعجب ہوئے اور اُسے معاف کر دیا۔

پھر آپ نے اُسے ایک عابد و زاہد اور نیک شخص کے سپرد کر دیا کہ شاید اس

کی صحبت کے اثر سے وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا (خواجہ بندے نواز صلا۱۶) نیز دیکھئے کشف المحجوب۔

ظاہر ہے کہ وہ عابد و زاہد شخص حضرت علیؓ تھے اور حضرت علیؓ کی تعلیم کا کیا اثر ہوا خواجہ صاحب نے نہیں بتلایا۔ البتہ حسنین ہیکل مصری بتلاتا ہے کہ عجم کے بادشاہ ہرمزان کے گھر تمام مجوسی غلام بن میں فیروز لولو سلمان فارسی، جفینہ وغیرہ جمع رہتے اور حضرت علیؓ وہاں بیٹھ کر ان کو اسلام سکھلاتے تھے حتیٰ کہ ۸ سال بعد عراق کے بادشاہ نے فیروز ابولولو کو ایک خاص چھری دیکر عرب کے بادشاہ کو قتل کروایا۔ اور حضرت علیؓ صرف واللہ انا بری کہہ کر صاف بچ گئے۔

خلیفۂ وقت کے صاحبزادے عُبیداللہ بن عُمر کو معلوم ہوا کہ ہرمزان کی سازش سے اُن کے والد کو قتل کیا گیا ہے تو تلوار لے کر گئے اور ہرمزان کے ساتھ جفینہ اور اُس کی بیٹی کو بھی قتل کر ڈالا۔ فیروز ابولولو پہلے ہی مار ڈالا گیا تھا۔

تاریخ داں حیران ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے سوتیلے نواسے عُبیداللہ بن عُمر کے خلاف قصاص کا مقدمہ کیوں دائر کیا۔ انہیں ہرمزان سے کیا تعلق تھا۔ جو اس کے وارث بن کر خون کا بدلہ لینے کھڑے ہو گئے اور بدلہ لینا ہی تھا تو جفینہ اور اس کی بیٹی کا قصاص بھی طلب کرتے۔

حضرت عثمانؓ نے زمام حکومت سنبھالی اور ہرمزان کا خون بہا سرکاری خزانے سے دلا دیا۔ مگر حضرت علیؓ نے پھر بھی عُبیداللہ کو معاف نہ کیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں چپ رہے اور جیسے ہی حضرت عثمانؓ کو ان کے بیٹے اور غلام نے ٹھکانے لگایا۔ آپ عُبیداللہ سے قصاص لینے کھڑے ہو گئے بیچارے عُبیداللہ بن عُمر نے بھاگ کر دمشق میں حضرت معاویہؓ کے پاس پناہ لی۔

چند ماہ بعد جنگ صفین میں پھر دونوں دو بدو ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا تم وہی قاتل ہرمزان ہو جس پر قصاص باقی ہے کہتے ہیں کہ اس پر ان کے سوتیلے نواسے حضرت عُبیداللہؓ نے جواب دیا۔ ہاں مجھ پر ایک کافر مجوسی کا

قصاص باقی ہے اور تمہاری گردن پر خلیفۂ معصوم عثمان بن عفان کا قصاص ہے پھر عُبیداللہ جنگ میں شہید ہو گئے۔ میر خاوند و ابن اثیر لکھتے ہیں کہ علیؓ نے چاہا کہ ان کی لاش کی بے حرمتی کی جائے مگر عُبیداللہ کی بیوی نے اہل قریش کی حمیت کو للکارا۔ انہوں نے علیؓ کو ایسی حرکت سے باز رکھا۔ ابن اثیر کو صرف حیرت ہے کہ علیؓ جیسے بلند مرتبہ شخص نے ایک عجمی غلام کے قصاص کے لئے اپنے ہم قبیلہ ہم قوم بلکہ سوتیلے نواسے کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔ اس کا محرک کون سا جذبہ تھا۔ اگر کہا جائے کہ محض مقتضائے انصاف تھا تو جفینہ اور ابولولو کی لڑکی کے قصاص کا بھی ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ ابن اثیر ج ۳ صلا۳۱ میر خاوند باب ۲ صلا۲۱۔

معلوم نہیں اس میں کیا سچ ہے۔ اور کیا جھوٹ کیونکہ تاریخ تو ساری کی ساری عجمی مفسدوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اور کوئی ضروری نہیں کہ پہلی صدی ہجری کے حالات انہوں نے دیانت داری سے قلم بند کئے ہوں۔ تاریخوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آج کے سے علمی ماحول میں صحیح پتہ نہیں چل سکتا کہ قائد اعظم یکایک کیسے مر گئے۔ لیاقت علی خاں کو کیوں قتل کیا گیا۔ اور دراصل مسلم لیگ اور پاکستان کے قیام میں حسن بن صباح کے پوتے اور خوجوں کے خدا پرنس آغا خاں مرحوم کا کتنا ہاتھ تھا۔ اور اس بیچارے کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا تو اسے کتنا قلق ہوا ہوگا۔ یا ہمارے شیعہ بھائیوں کو جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اور پاکستان آکر تمام کلیدی عہدوں اور وسائل نشر و اشاعت یعنی اخباروں اور ریڈیو پر قبضہ کر لیا اور مکان دکان زمینیں۔ اپنوں اپنوں کو بانٹنے لگے تو مقامی لوگ اور دیگر مسلمان دم بخود رہ گئے کیا وہ اتنے پڑھے لکھے اور ہوشیار نہ تھے۔

یہی حال اس وقت شہر مدینہ کا تھا۔ وہاں کی آبادی خالص عرب نہ تھی۔ آپ نے دیکھا کہ عجمی غلاموں کی آبادی عربوں سے تین گنا زیادہ تھی اور ان کی ریشہ دوانیوں کا حال بھی دیکھ لیا کہ خلیفۂ اسلام کو شہید کر دیا گیا۔ بلکہ ذوعظیم الشان

خلفاء ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔
مگر ہمارے بغدادی و کوفی مؤرخ اُن مجوسوں کو مسلمان تبلاتے ہیں۔ اور اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اسے مسلمانوں کی خانہ جنگی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ عجمی غلاموں کی عرب آقاؤں سے بغاوت تھی اور ایک کامیاب بغاوت تھی۔

شہادت خلیفہ ثالث

ہاں تو ہم حضرت علیؓ کے حصول خلافت کا ذکر کر رہے تھے کہ شیعانِ علیؓ یعنی عجمیوں نے مدینہ پر دھاوا بول دیا۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ان کا پانی بند کر دیا۔ مگر وہ مومن و پاکباز و پاک دامن دوہرا دامادِ رسولؐ ان کلمہ گو عجمیوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کو راضی نہ ہوا۔ نہ دیارِ رسولؐ چھوڑ کر شام جانے کو تیار رہا۔ جہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوج بھیجنے یا بلانے پر اصرار کر رہے تھے خلیفہ اسلام کو یاد تھا کہ مدینہ وہ مقام ہے۔ جہاں سے نورِ اسلام سارے جہاں پر چمکا تھا جسے رسولِ عربیؐ نے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے پسند فرمایا تھا۔ فرائض حج سے فارغ ہوئے تو نو مسلمان مکہ کی تالیف قلوب کے واسطے بھیڑ بکریاں اور اونٹ تقسیم کرنے لگے۔ اہلِ مدینہ کے دلوں میں رشک پیدا ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا اے اہلِ مدینہ کیا تم کو قبول نہیں کہ یہ تو اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھر جائیں اور تم اپنے اللہ کے رسولؐ کو لے کر گھر لوٹو۔ سب چیخ پڑے ہمیں رسولؐ کافی ہے
خلیفہ کی بے بسی اور مند کو دیکھ کر سچے مسلمان مدینہ چھوڑ کر چلے گئے بیشتر حج کے لئے گئے ہوئے تھے واپس نہ آئے۔ مدینہ میں عجمی غلاموں کی اکثریت جو اب مسلمان کہلاتے تھے باغیوں کے ساتھ ہوگئی۔
محمد بن ابوبکر جسے حضرت علیؓ نے مصر کا گورنر مقرر کروانا چاہا تھا کیونکہ ان کے بیٹوں میں وہی ایک باصلاحیت نوجوان تھا۔ اور اس وقت شیعانِ علی کا سرغنہ بنا ہوا تھا اپنے حبشی غلام جون ایلیا کے ساتھ دیوار پھاند کر خلیفہ کے گھر میں گھس گیا۔ اور برچھی سے حملہ کر دیا۔ حضرت نائلہ بچانے آئیں تو جون ایلیا نے تلوار چلا دی جس سے

اُن کی انگلیاں کٹ گئیں اور تلوار خلیفہ مظلوم کی گردن میں پیوست ہوگئی۔
اب شیعانِ علی کو فکر ہوئی کہ خلیفہ مظلوم کے حامی چاروں طرف سے آ کر اُن کا قتل عام مچا دیں گے اور مدینے کے نو مسلم عجمیوں کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نیا خلیفہ عجمیوں کا بہی خواہ ہو۔ اس کے لئے علیؓ سے بہتر آدمی ملنا دشوار تھا۔ سب نے آپ کو گھیر لیا۔ اور دستارِ خلافت پیش کر دی اور آپ نے قبول کر لی جس پر دیگر اکابر قوم تو ایک طرف خود اُن کے صاحبزادے حضرت حسنؓ بھی ناراض ہو گئے۔ آپ نے پدر بزرگوار سے کہا میں نے کہا تھا آپ بھی مدینے سے چلے جائیے آپ نہ مانے پھر میں نے کہا خلافت ان عجمی باغیوں کے ہاتھوں قبول نہ کیجیے۔ مگر آپ نے نہ سُنا (قصاص سیدنا عثمانؓ) از محمد سلطان نظامی لاہور)
عجمی باغیوں اور سبائیوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا مگر انہیں تنہا چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکے وہ جانتے تھے کہ ان کے عرب ساتھی آ جائیں گے۔ تو یہ پھر انہی سے مل کر ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور خلیفہ معصوم کا خون رنگ لائے گا۔ محمد بن ابوبکر اور علی کا غلام جون ایلیا مع اپنے عجمی لشکر کے جن میں مالک اشتر مجوسی اور عبداللہ بن سبا یہودی موجود تھے کیفرِ کردار کو پہنچائے جائیں گے۔
چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے عجمی شیعانِ علیؓ کی حفاظت و قیادت میں اسی دیارِ رسولؐ کو جس کے احترام کے لئے خلیفہ سوم نے اپنی جان دی تھی۔ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور شہر کوفہ کو جہاں کبھی شہر بابل آباد تھا اپنا نیا دار الخلافہ بنانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور ترابی صاحب کے لئے اس پر ناز کرنے کا موقعہ فراہم کر گئے۔ کہ بابُ العلم کو ہم نے بابل و نینوا کی میراث سونپ دی۔ لیکن اُنہی بزرگ کے شیعہ اسلاف یہ معلومات بھی لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔
"جس سال ۴۱ھ میں معاویہؓ نے امام حسنؓ سے صلح کر لی اس کے بعد اس نے دنیائے اسلام کے ہر گورنر والی اور حاکم کو یہ فرمان لکھ کر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب حضرت علیؓ اور ان کے اہلِ بیت کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت

کرے گا اِس سے حکومت بری الذمہ ہے اور سلطنت اِس کے کسی نقصان کی پرواہ نہ کرے گی۔ اِس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر اور ہر دیہات میں بلکہ ہر منبر مسجد پر خُطبہ دینے والے اور وعظ کہنے والے (مُسلمانانِ عالمِ اسلام) کھڑے ہو کر حضرت علیؓ پر تبرّا کرنے اور حضرت کو اور حضرت کے اہلِ بیت کو بُرا کہنے اور حضرت کی مذمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اِس مُصیبت میں اس وقت سب سے زیادہ کوفے والے مبتلا ہوئے کیونکہ وہاں علیؓ کے شیعہ بہت تھے۔

معاویہؓ نے اِن لوگوں پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا اور اِس کو کوفہ و بصرہ کی گورنری دی۔ زیاد شیعوں کو خوب پہچانتا تھا۔ کیونکہ علیؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خود بھی شیعہ تھا۔ اِس نے شیعوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور قتل کروا دیا۔ اور جنہیں زندہ رکھا اُنہیں دھمکیاں دیں۔ اِن کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اِن کی آنکھوں میں سلائیاں کیں۔ اِن کو درختوں کی شاخوں پر سُولیاں دیں۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی جانا پہچانا شخص عراق میں باقی نہیں رہا (ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹ اموی دورِ خلافت از مولانا محمد باقر مدیر اصلاح کھجوہ بہار مطبوعہ دائرہ تحقیق، ۲۰۸ گارڈن ویسٹ کراچی)

آگے لکھتے ہیں۔ معاویہؓ اور اِن کے اعمال نے امیر المومنین (علیؓ) پر سب و شتم کرنے میں اتنا اہتمام کیا کہ اسی حالت پر بچے جوان ہوئے۔ بڑے مرنے کے قریب پہنچے یعنی ۶۰ برس تک جب تک عُمر بن عبدُالعزیزؒ خلیفہ نہ ہوئے ہر شہر میں ہر ممبر پر شام سے لے کر رے تک اور رے سے لے کر کوفہ تک، کوفہ سے بصرہ تک بصرہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکّہ تک مختصر یہ کہ بقول یاقوت حموی مؤلف معجم البلدان شرق و غرب میں کوئی جگہ نہ بچی۔ جہاں مجمع عام میں منبروں پر پابندی سے یہ رسم نہ ادا کی جاتی ہو۔ بلکہ اموی حکومت میں یہ دستور ہو گیا تھا۔ اور ستر ہزار منبروں پر (علیؓ) پر لعنت ہوتی رہی یہاں تک کہ عُمر بن عبدُالعزیزؒ خلیفہ ہوئے اور اُنہوں نے کسی حکمت عملی کی بنا پر اِس کی ممانعت کر دی۔ مسعودی، یعقوبی ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ بھی اِس کی تائید کرتے ہیں (ص ۳۵۲ اموی دورِ خلافت)

افسوس کہ ہمارے عجمی مُورخوں نے وہ تبرائی الفاظ نقل نہ کیے جن سے حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد یعنی اہلِ بیت کو چالیس سال تک یاد کیا جاتا رہا۔ یقیناً یہ سب عجمی و باطنی افترا پردازی ہے جس کا مقصد مُسلمانوں کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام مرنیوالوں پر تبرا بازی کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ غیبت کو ایک مکروہ فعل قرار دیتا ہے۔ پھر صدرِ اوّل کے مُسلمان ایسی مُبتذل بدعت میں کیسے ملوث ہو سکتے تھے کہ حضرت علیؓ کو مسجد کے منبروں سے گالیاں دیتے اور بیٹھ کر سُنتے۔ یہ سب حضرت معاویہؓ کو ملعون کرنے کے لئے باطنی مفسدین لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ تاہم اِن حالات کو پڑھ کر ایک بے لاگ مبصر کے ذہن میں یہ سوالات ضرور گدگداتے ہیں کہ ! کیا امیر معاویہؓ اتنے ہر دل عزیز تھے کہ اِن کے کہنے سے لوگ حضرت علیؓ کو گالیاں دینے اور سُننے لگے حالانکہ گالیاں بکنا تبرائی شیعوں کا شعار ہے ــــ کیا عام مُسلمانوں کو بھی حضرت علیؓ سے وہی شکایتیں تھیں جو امیر معاویہؓ کو تھیں کہ وہ اپنے امیر کا اشارہ پاتے ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگے یا اِن کو یقین تھا کہ:

① حضرت علیؓ اپنوں کو چھوڑ کر عجمیوں سے مِل گئے اور اِن کے اشاروں پر اسلام کو نقصان پہنچاتے رہے ② حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمانؓ کے ہاتھوں خلافت حاصل کی اور اِن کی پشت پناہی کرتے رہے۔ نہ خود قصاص لیا نہ دُوسروں کو اس کی اجازت دی۔ ③ یہودی عبدُاللہ بن سبا اور مجوسی مالک اشتر کے حکم سے اُنہوں نے دارالخلافہ مدینۃ الرّسول سے کوفے میں منتقل کر کے مدینے کی اہمیت ختم کر دی اور مکّے و مدینے کے مُسلمانوں کی حق تلفی کی۔ ④ حضرت علیؓ کی وجہ سے مُسلمانوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے شیعانِ علی نے کُھلے بندوں قرآن کے حُکم "لا تفرقوا" کا مذاق اڑایا۔ اور مُسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا۔ ⑤ مجوسیوں کی ہمت افزائی کر کے اُنہیں باطنی اسلام تیار کرنے اور شرعِ محمدی کو منسوخ کرنے کی ترغیب دی اُنہوں نے نئے اِسلام کو حضرت علیؓ سے منسوب کر کے فائدہ اُٹھایا۔ ⑥ مُسلمانوں میں آپس میں تلوار چلوا دی اور ہزاروں بے گناہوں کے خُون سے اپنا دامن داغدار کر لیا جبکہ قرآن کا حکم تھا ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاءہٗ جہنم۔

پس جنگ جمل اور جنگ صفین کے شہدا کا خون کس کی گردن پر ہے، مجوسیوں کی گردن پر یا اُن کے ہاتھوں میں کھیلنے والے کٹھ پتلی امام پر ہی فیصلہ کون کرے گا؟

ساتواں باب

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے،
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف
اقبالؔ

ہمارے عروج و زوال کی کہانی

ہمارے مسلمان بھائی فخر سے نہال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف کی ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ یعنی تم بہترین اُمت ہو ہم نے دُنیا بھر کی قوموں میں سے تمہیں چُن کر نکالا ہے۔ اور یہ بھُول گئے کہ اُس کے ساتھ کوئی شرط بھی تھی۔ وہ یہ کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۱۱۰) جس کا مطلب تھا کہ مذکورہ تعریف صرف اِن لوگوں کی ہے جو اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں۔

آج جس کا نام عبدالعلی یا غلام محمدؐ ہے وہ خود کو مسلمان کہتا ہے اور جس کا کلب علی اور زوار حسین ہو وہ اپنے کو فخر سے مومن بتلاتا ہے۔ گویا عربی نام ہونا ہی اِسلام کا ضامن ہے اور خود کو حقیر کر کے اِنسان سے جانور

بن جانا ایمان کو کامل بنا دیتا ہے۔

اب جھوٹ بولو، غیبت کرو، رشوت لو۔ دُولت جمع کرو۔ عیاشیاں کرو۔ مُلک میں ابتری پھیلے۔ معاشرے میں گندگی ہو۔ پڑوس میں چوری ہو جائے کوئی تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالے۔ کسی کی ماں بہن یا بیوی کو لے اُڑے اور اُسے لیجا کر بیرونِ مُلک فروخت کر آئے تو تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، تم ایک اچھے مُسلمان ہو، پانچ وقت نماز پڑھتے ہو۔ گھر سے نکلتے ہو تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے۔ پھر تمہارے تقدّس میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

پڑوس کے امام باڑے سے دن میں تین بار اذان کی آواز سُنتے ہو جس میں لاؤڈ اسپیکر پر علی ولی اللہ۔ وصی رسُول اللہ۔ خلیفہ بلا فصل کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ مگر اُسے نہ سمجھتے ہو نہ سمجھنا چاہتے ہو۔ تمہاری بلا سے کوئی تمہارے بزرگوں پر لعنت بھیجے اُنہیں ظالم اور ناصب کہے۔ اور آپ کے ابرو پر شکن نہ آئے۔ آپ کہدیں گے کہ یہ اُن کے اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے بُرے اعمال کی سزا خود دے لیگا۔ ؎

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

مگر آپ کو معلوم نہیں کہ یہ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی تکذیب ہے۔ ایسا کہنے والا کنتم خیر امۃ سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی بے غیرت اور بے حمیت اِنسان مُسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۱۳۹) تم ہی غالب رہو گے اگر صاحبِ ایمان رہے۔ پس جو مغلوب ہو گیا خائف رہنے لگا۔ اور اپنی ذمہ داریوں سے کترانے لگا۔ وہ مُسلمان نہیں ہو سکتا۔ اِن کے لیے واضح وعید ہے۔ دَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۷۹) اے مُسلمانو! اللہ تم کو اِس حال میں نہ رہنے دیگا جس میں تم (بے فکری سے) بسر کرنا چاہو گے۔ وہ ناپاک کو پاک سے

برابر جُدا کرتا رہے گا۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ شیعانِ علی و خوارج وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کا سکون و اطمینان برابر درہم برہم کیا جاتا رہا ہے۔ اوراق ماسبق میں یہ نکتہ ذہن نشین نہ ہوا ہو تو اس مضمون کا خلاصہ پھر ایک بار پڑھ لیجیے

بنو اُمیہ کا زوال

مؤرخ اسلام نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ خوارج (باطنی فرقوں) کا فتنہ اموی دور میں بھی مسلسل جاری رہا جب کبھی کوئی زبردست خلیفہ یا حاکم مقرر ہوا یہ لوگ خاموش ہو کر موقعہ کا انتظار کرنے لگتے۔ اور جونہی وقت آتا میدان میں نکل آتے۔ خوارج اور دیگر خفیہ باطنی سازشوں اور بغاوتوں کے لئے عراق و خراسان ہمیشہ مشہور رہے ہیں (یعنی عجمی باطنی جو مختلف ناموں اور فرقوں میں کام کرتے تھے) جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر بیٹھے آپ کی نیک نامی و پاک باطنی کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو خوارج بھی آپ کے اخلاق کو دیکھ کر شرما گئے۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسے صالح خلیفہ کے زمانے میں حکومت کے خلاف کوئی انقلابی کوشش کرنا مناسب نہیں" ص۲۱۶۔

گویا یہ خلیفہ اتنے نیک تھے کہ عراق و خراسان کے شیعانِ علیؓ کے ساتھ خوارج بھی (جو پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے بعد کو اُن سے بیزار ہو گئے) اُن کے ہمدرد بن گئے مگر آخر کیوں۔ خارجیوں اور شیعوں کو ان کی کونسی ادا بھا گئی تھی۔ وہ بھی مؤرخ اسلام سے سُنئے۔

کفر و ایمان میں سمجھوتہ

"حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حکم جاری کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کوئی شخص ناشدنی الفاظ ہرگز استعمال نہ کرے۔ اب تک بنو اُمیہ میں عام طور پر رواج تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بُرا کہتے اور جمعہ کے خطبے میں بھی اُن پر لعن طعن سے دریغ نہ کرتے تھے"۔ ص۲۰۵ ج ۲

یعنی خلیفۂ اسلام نے خوارج کے مطالبات تسلیم کر لیے۔ اور اس کمزوری کے صلے میں آپ کو ان اسلام کے دشمنوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ اب آپ ان کا دوسرا کارنامہ سُنئے۔

"عمر بن عبدالعزیز نے خوارج کے سردار کو ایک خط لکھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تم اللہ اور رسول کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ مگر اس بات کا حق تمہارے مقابلے میں ہم کو زیادہ ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور ہم سے مباحثہ کر لو ہم حق پر ہوں تو ہمارا ساتھ دو۔ اور اگر تم حق پر ہو گے تو ہم تمہاری بات مان لیں گے" ص۲۱۵۔

پھر اس دوستی اور سمجھوتے کا نتیجہ کیا نکلا۔ یعنی مسلمانوں کے بادشاہ نے کفر سے سمجھوتے پر آمادگی ظاہر کر دی اور کہا کہ تم راستی پر ہوئے تو میں اپنے عقائد بدل ڈالوں گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے تساہل کو پسند نہیں کرتا۔ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ (آل عمران ۱۴۹)

یعنی اے مسلمانو اگر تم ان لوگوں کا کہا مان لو گے جو کافر ہو گئے ہیں تو وہ تم کو بھی اپنی طرح کافر بنا لیں گے اور پھر تم نقصان میں پڑ جاؤ گے

مؤرخ اسلام صاحب لکھتے ہیں کہ "خوارج کے سردار نے اپنی طرف سے دو ہوشیار آدمیوں کو مناظرے کیلئے روانہ کیا۔ اُنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے کہا۔ تمہارے بزرگ یعنی خلفاء بنو اُمیہ کافر تھے ان پر لعنت بھیجنا ضروری ہے"۔ ص۲۱۷۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا مگر تم فرعون و نمرود پر لعنت نہیں بھیجتے وہ تو صریحاً کافر تھے۔ میرے بزرگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہو۔ اگر اُنہوں نے علیؓ پر لعنت بھیجنا شروع کروایا تھا تو میں اس کو غلط سمجھتا ہوں اس لئے بند کروا تا ہوں۔ آؤ اب دوستی کر لو۔

چنانچہ یہ دُوستی اِس طرح ہوئی کہ علیؓ پر لعنت بند ہوگئی اور خلیفہ عبدالعزیز کے باپ دادا پر لعنت شروع ہوگئی جو آج بھی جاری ہے۔ پھر علی خدائی مراتب کو پہنچ گئے۔ اور معاویہؓ شیطانی مراتب پر اُتار دیئے گئے۔ اور یہ سب کچھ اُنہی کے مایہ ناز فرزند کے ہاتھوں ہوا جو کافروں سے سمجھوتے کرتا تھا۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

عُمر بن عبدُالعزیزؒ نے حضرت عُمر فاروقؓ اور علی مرتضٰیؓ کی سُنّت قائم کرنے کے زعم میں سرکاری خزانہ خالی کروا دیا۔ فوجوں کو کمزور کر دیا اور عزلوں میں بددلی پھیلا دی اور خُود اپنے خاندان کو ذلیل و رسوا کر ڈالا۔ اِن کی ساکھ بگاڑ دی۔ البتہ روافض و خوارج کو اُن کے دور میں اطمینان نصیب ہوا۔ اور وہ اپنی طاقت جمع کرتے رہے۔ اِس سے مُلک کی سالمیت کو سخت نقصان پہنچا۔ عوام کا اعتماد ختم ہوگیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو زیادہ مہلت نہ دی اور اِن کے جانشینوں میں اتنی بہت سی خرابیاں جو یہ شخص اپنے چند روزہ دورِ اِقتدار میں پیدا کر گیا تھا سنبھالنے کا یارا نہ رہا۔ چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ابُومسلم خراسانی اپنے عجمی (خارجی۔ رافضی۔ مُعتزلہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ قلندروں، صُوفیوں اور ولیوں کے) جتھے لیکر نکلا۔ اور عالمِ اسلام پر طوفانِ بلاخیز کی طرح چڑھ گیا۔ اُس نے نہ صرف بنو اُمیّہ اور عربی تہذیب کا چراغ گُل کر دیا بلکہ اِسلام کے مزید پھیلنے کے دروازے بھی بند کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ اِس نے چھ لاکھ مُسلمانوں کو قتل کیا حتیٰ کہ مرنے والوں پر رونے والوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور حکومت عبّاسیوں کے قدموں میں ڈال دی۔

بنو عبّاس کا زوال

۱۳۲ھ میں بنو اُمیّہ ختم ہوگئے۔ اُن کے ساتھ اسلام کے عروج کا زمانہ بھی ختم ہوگیا۔ عبّاسیوں نے بابل و نینوا کے باسیوں یعنی آلِ نمرود کی مدد سے حکومت حاصل کی۔ اور اُن کے

اثرات بھی قبُول کر لئے۔ اکبر شاہ سے سُنئے۔

عبدُاللہ سفاح نے مال و دُولت سے اپنی خلافت کے قیام و استحکام میں اِسی طرح کام لیا جس طرح بانیِ خلافت بنو اُمیّہ حضرت امیر معاویہؓ نے کام لیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ اپنے مخالفوں یعنی آلِ علی کا مُنہ بند کر دیا تھا اِسی طرح بانیِ خلافت عبّاسیہ کے مُقابل بھی علوی ہی دعویدارِ خلافت تھے کیونکہ اُنہوں نے عبّاسیوں کے ساتھ مل کر بنو اُمیّہ کو برباد کیا تھا۔ اب خلافت کے عبّاسیہ خاندان میں چلے جانے سے وہ بالکل اِسی طرح ناخوش تھے جیسے کہ خاندان بنو اُمیّہ میں خلافت جانے سے ناراض تھے۔ اِس لئے سفاح نے علویوں کو بے دریغ روپیہ دیکر اُن کا مُنہ بند کر دیا۔ مگر سفاح کے مرتے ہی علوی پھر خروج (بغاوت) پر آمادہ ہوگئے۔

سفاح کے بعد اُس کا بھائی ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا۔ منصور نے ابو مُسلم خراسانی کو ہوشیاری سے دربار میں بلا کر قتل کروا دیا۔ اُس کے بعد علویوں کی خبر لی۔ آلِ حسن کو تو اُس نے بالکل ہی ختم کر دیا۔ حسینی سادات میں مُحمّد مہدی (نفسِ ذکیہ) نے مدینے میں خرُوج کیا۔ تو منصور سے اُن کی خط و کتابت بڑی دلچسپ ہے۔ دُونوں نے ایک دُوسرے کے خاندان کے جو حالات کھولے ہیں شرمناک ہیں مگر وہ ہمارے نفسِ مضمُون سے خارج ہیں۔ عبّاسیوں نے بڑے طمطراق سے پانچ سو سال حکومت کی۔ مگر یہی دورِ باطنی اِسلام کے پھلنے پھُولنے کا تھا۔ عبّاسیوں کے زمانے میں حکومت پر شیعوں کا قبضہ رہا۔ بلکہ یہ حکومت دلائی ہوئی شیعوں کی تھی۔ ۱۹۲ھ میں ہارون رشید برامکہ میں پھنسا ہوا تھا۔ اِس کی بیوی مجُوسن تھی جس کے بطن سے مامون پیدا ہوا۔ مامون معتزلہ عقائد رکھتا تھا۔ مسلمان علماء کا بڑا دُشمن تھا۔ اُن کو خلقِ قرآن کی بحث میں اُلجھا کر سینکڑوں کو تہِ تیغ کیا۔

مصری باطنی فتنہ

۲۹۶ھ میں میمُون القداح مجُوسی غلام کی اولاد نے مصر میں خلافت بنو فاطمہ قائم کر لی اور اصلی سیّد بن بیٹھے تو عبّاسی دُم ہلاتے رہے۔ مصر، مراکش، الجزائر اور فلسطین پر اُن کا

قبضہ ہو گیا۔ اور مکّہ و مدینہ میں اُن کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اِس خاندان نے ۵۶۶ھ تک مصر پر حکومت کی اور باطنی اسلام پھیلاتا رہا۔ جامعہ ازہر انہی کی قائم کی ہوئی ہے۔ چنانچہ آج بھی وہاں باطنی اسلام کی کتابیں نصاب میں داخل ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے ایک متوازی خلافت قائم کردی اور باطنی اسلام کو ظاہری اسلام کے مقابل لاکھڑا کیا۔ اور یہ شیعہ دُنیا کی خلافت سمجھی جانے لگی،

عراق میں باطنی فتنہ

۳۲۲ھ میں عبّاسی خلیفہ راضی باللہ تخت نشین خلافت ہوا۔ اُس کی خلافت بغداد اور اُس کے مضافات کے علاوہ کہیں نہ تھی۔ نہ کسی صوبے سے خراج آتا تھا۔ گویا یہ عبّاسیوں کے شہنشاہ بہادر شاہ تھے۔ یہ آخری عبّاسی خلیفہ تھا جس نے نمازِ جمعہ کا خطبہ مسجد میں دیا۔ اِس کے بعد پھر کسی خلیفہ کو مسجد میں خطبہ دینے اور نماز پڑھانے کا موقعہ نہ ملا۔ اِس کے زمانے میں ایرانی نژاد ماہی گیر آلِ بُویہ نے خلافتِ عبّاسیہ پر اقتدار حاصل کر کے بغداد کی سُنّی خلافت میں شیعی اثرات داخل کر دیئے اُنھوں نے خطبات جمعہ لکھوا کر مساجد میں بھیج دیئے اور اِن کو پڑھنا لازمی قرار دیا جو ہندوستان میں آج تک جاری ہے۔ اِن میں جنّت کی ملکہ اور جنّت کے شہزادوں کا ذکر ہے۔ آلِ عبّاس اور آلِ علی کے لیے دُعائیں اور اُن کے دشمنوں پر لعنت بھی لکھی ہوئی ہے۔ جسے ہمارا مولوی گا گا کر پڑھتا ہے۔ اور اپنے ساتھ نمازیوں کی بھی عاقبت خراب کرتا ہے۔

۳۵۱ھ میں معزّالدولہ نے جامعہ مسجد بغداد کے دروازے پر یہ عبارت لکھوا دی۔

لعن اللہ معاویۃ بن سفیان و من غصب فاطمۃ فدکا و من منع عن دفن الحسن عند جدّہ و من نفی اباذر و من اخرج العبّاس عن الشوریٰ۔ یعنی خُدا کی لعنت ہو معاویہ بن سفیان

پر اور اس پر جس نے فاطمہ کا فدک غصب کیا (یعنی ابوبکرؓ) اور جس نے حسن کو روضہ مبارک میں دفن سے رُوکا (حضرت عائشہؓ) اور جس نے ابوذرؓ کو سزا دی (حضرت عُثمان) اور جس نے عبّاس کو شوریٰ سے نکالا (حضرت عُمرؓ) اور کسی بغدادی مُسلمان کو غیرت نہ آئی جو کم سے کم اسے مِٹا دیتا۔

اسی سال معزّالدولہ نے عید غدیر منانے کا حُکم دیا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ بظاہر اور درون خانہ جو ہوا سو وہ تو ہوتا ہی ہے جو مجُوسوں کا شیوہ ہے۔ ۳۵۲ھ میں اُس کے حکم سے ۱۰ محرّم کو شہادتِ حسین کا غم منانے کا حُکم دیا گیا۔ سب دکانیں بند کر دی گئیں اور لوگ ماتمی لباس میں سڑکوں پر نکل آئے۔ عورتیں بھی اپنے بال کھول کر چہروں کو سیاہ کر کے اور کپڑے پھاڑ کر چھاتیاں کوٹتی نکلیں اور مرثیے پڑھنے لگیں۔ شیعوں نے خُوب خُوب دھوم مچائی۔ سُنّی دم بخُود اور خاموش رہے۔

۳۵۴ھ میں سُنّیوں کو بھی اِس میں شامل ہونے کا حُکم دیا گیا تو شیعہ سُنّی فساد برپا ہو گیا۔

معزّالدولہ نے کربلا کے میدان میں جہاں برسوں سے کھیتی باڑی ہو رہی تھی حضرت حسین کا مقبرہ تعمیر کروایا اور نجف کے ٹیلے پر حضرتِ علی کا مزار بنوایا حالانکہ حضرت علی کی لاش ڈاکو لوٹ لے گئے تھے۔ پھر پتہ نہ چل سکا کہ کیا ہوئی یہ دُونوں زیارت گاہیں قدیم شہر بابل اور اُرکے کھنڈروں پر قائم ہوئیں۔ بعد شیعہ دُنیا کے لیے مکّہ و مدینہ کا نعم البدل قرار پائیں۔

اسی خاندان کے ایک فرد نے (جو شریف الرضی اور سید زادہ مشہور ہے) حضرت علیؓ کی وفات کے چار سو سال بعد اُن کی مشہور کتاب نہج البلاغہ تصنیف کی بالکل اسی طرح جیسے ہمارے قاضی عبدالغفار نے مجنوں کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط شائع کروا دیئے ہیں۔

اِن ماہی گیر مجُوسوں کی اولاد تقریباً سو سال عبّاسی خُلفا پر حاوی رہی۔

اور من مانی کرتی رہی حتیٰ کہ ۵۳۲ھ میں خلیفہ راشد باللہ کو شیعوں نے قتل کر ڈالا تو اُس کے ساتھ ہی بنو بُویہ کے اثرات بھی ختم ہو گئے۔ اور سلجوقیوں نے اِن کی جگہ لے لی

محمود غزنوی

سلجوقیوں نے جو بڑے دیندار اور مذہب پرست تھے خلافتِ عبّاسیہ کی کھوئی ہوئی عظمت تھوڑی بہت واپس دلائی۔ مگر افسوس کہ یہ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ بھائی بھائی سے اور چچا بھتیجے سے ہمیشہ برسرپیکار رہ کر اپنا اقتدار جلد ختم کر بیٹھے۔ مگر اِن کے چند فرزندانِ گرامی نے اِسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ محمود غزنوی نے خراسان سے لیکر ہندوستان تک باطنی اثرات زائل کرنے کی پُوری کوشش کی۔ سمرقند، بخارا، عراق، ایران میں باطنیوں کا صفایا کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی طرف بار بار رجُوع کرتا رہا۔ ملتان میں قرامطہ کا صفایا کرنے کے بعد وہ سندھ اور گجرات اور سومنا تھ سے باطنی اثرات زائل کرتا ہوا واپس گیا۔ اُس لیے ہماری تاریخ جو دُشمنوں کی لکھی ہوئی ہے اُسے لٹیرا اور ڈاکو ظاہر کرتی ہے۔ حالانکہ وہ کُفر د اِسلام کا فارق اور اِسلامی معاشرے کو باطنی اثرات سے پاک کرنے والا غازیِ اِسلام تھا۔ یہ بادشاہ ۵۳۵ھ میں فوت ہوا۔ یہ خلافتِ عبّاسیہ کے ماتحت رہا اور خلیفہ کے حُکم سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ فردوسی دراصل مجُوسی ہے تو اُس کو دُھتکار دیا۔ جس کا ایک طومار باندھا گیا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی

۵۶۴ھ میں صلاح الدین ایوبی نے خلیفہ بغداد کی اجازت سے حکومت قائم کی۔ یہ شام و فلسطین میں عیسائیوں سے صلیبی جنگ لڑتا رہا۔ عوام اسے اِسی وجہ سے جانتے ہیں کہ اِس نے فلسطین کو عیسائیوں کے سو سالہ قبضے سے نکال کر آزاد کروایا۔ اور اِسلام کا نام روشن کیا۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اُس کا اصل کارنامہ کیا ہے۔ اور اِسلام پر اُس کا احسان کیا ہے۔

مصر کی اسمٰعیلی باطنی حکومت بظاہر مُسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں سے لڑتے

آئی مگر یہ باطن مُسلمانوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ چنانچہ عیسائیوں سے فارغ ہوتے ہی اُس نے مصر پر حملہ کیا اور مکّار فاطمین کا قلع قمع کر دیا۔ وہاں کے قید خانوں سے دس پندرہ ہزار ایسے مُسلمان قیدیوں کو نجات دلائی جو دس دس پندرہ پندرہ سال سے تاریک تہ خانوں میں زنجیروں میں باندھے پڑے تھے۔ اُن کا جُرم یہ تھا کہ وہ مجُوسی غلام کی نسل کے اماموں کو خدا ماننے کو تیار نہ تھے اور رسُولِ عربی کے دین کا دم بھرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تاریکی اور گھُٹی ہوئی فضا کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ اکثر باہر نکل کر سورج کی روشنی اور تازہ ہوا برداشت نہ کر سکے اور مر گئے۔

ایران میں باطنی فتنہ

مصر میں باطنی خلافت ختم ہو گئی اور اسماعیلیوں کا اقتدار جاتا رہا تو ایران کے شیخ الجبل حسن بن صباح نے وہ گدّی سنبھال لی۔ ایران دراصل باطنیت کا مرز بوم تھا مگر مجُوسی زادوں کو اقتدار مصر میں ملا تھا۔ اب وہ اقتدار ایران واپس آگیا حسن بن صباح نے ہماری جماعت اِسلامی کی طرح جس کے کارندے تین طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور اپنی وفاداری کے لحاظ سے اراکین متفقین و مؤیدین کہلاتے ہیں، اپنی پارٹی میں تین درجے رکھے تھے جو فدائیں، رفیقین اور لاحقین کہلاتے تھے۔ اِس تنظیم میں داخلے کی شرائط جماعت اِسلامی سے زیادہ سخت تھیں۔ کافی ٹھونک بجا کر پارٹی میں شامل کیا جاتا تھا۔ خاص کر فدائیں تو ایسے لوگوں کو بنایا جاتا تھا جو امام کے حُکم پر پہاڑ سے کُود کر یا خودکشی کر کے جان دینے پر آمادہ ہوتے۔

شیخ الجبل یعنی پہاڑی چیر گدھ نے کوہ البرز کی چوٹیوں پر قلعے بنوائے تھے اِن میں ایک جنّت بھی تعمیر کی تھی جو فردوس بریں کہلاتی تھی جنّت میں حُوریں اور غلمان رکھے گئے تھے۔ پارٹی میں شامل ہونے کے خواہشگار کو بھنگ (حلی لُبّی) پلا کر جنّت میں پہنچا دیا جاتا۔ اور ایک رات حُوروں یعنی ایرانی دوشیزاؤں کے

ساتھ بسر کرنے کے بعد پھر بھنگ پلا کر واپس کر دیا جاتا ۔ اور اُسے پتہ نہ چلنے دیا جاتا کہ وہ کہاں گیا تھا اور کب واپس آیا ۔ اب اگر وہ دوبارہ اس جنّت میں جانا چاہتا تو کوئی بڑا کام سرانجام دینے کی شرط رکھی جاتی اور یہ بڑا کام کسی مسلمان بادشاہ، وزیر یا جرنل کو قتل کرنے سے متعلق ہوتا تھا ۔ صباح نے ایسے ہزاروں فدائین تیار کر لیے تھے جو ساری اسلامی دُنیا میں پھیلا دیئے گئے تھے ۔ خلیفہ بغداد اُن کے نام سے کانپتا تھا۔ محمُود غزنوی اور صلاح الدّین ایوبی پر ان فدائین نے حملے کئے حتیٰ کہ صباح نے اپنے بچپن کے دُوست نظام الملک طوسی کے قتل سے دریغ نہ کیا جو اُس کا بڑا محسن تھا ۔ نیز اہلِ یورپ بھی جو صلیبی جنگوں کے سلسلے میں فلسطین میں پڑے تھے اِن سے خائف رہتے تھے ۔ کیونکہ یہ لوگ بھیس بدل کر درباروں میں رسائی حاصل کر لیتے اور دھوکے سے حملہ کرتے تھے چنانچہ انگریزی زبان کا لفظ (ASSASIN) جس کے معنی ہیں دھوکے سے قتل کرنا دراصل حشیشین ہے ۔ یعنی بھنگ پینے والوں کی جماعت ، مختصر یہ کہ اس زمانے میں ساری مہذب دُنیا اِن دُھوکے باز فدائین کے خُوف سے لرزہ براندام رہتی تھی ۔ بعض حاکموں کے اپنے اہلِ خاندان فدائین بن جاتے تھے اور ساتھ رہ کر اپنا کام کر گزرتے تھے ۔

اِسی حسن بن صباح کے پوتے نے جس کا نام حسن بن محمّد بزرگ امید تھا، امامت کا دعویٰ کر دیا ۔ اور خود کو فاطمی سیّد کہنے لگا ۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اُس نے کمالِ بے حجابی سے تاویل پیش کی کہ میری ماں نے مصری امام نزار کے ساتھ ایک شب بسر کی تھی ۔ اِس طرح میں فاطمی سیّد ہوں اور امامت کا حقدار ہوں ۔ اُس کی قوم نے یہ توجیہہ قبول کر لی ۔ اِس امام نے سرزمین ایران سے شریعتِ محمّدی کو نکال پھینکا اور قدیم مجُوسی روایات کا احیاء کر دیا ۔ یعنی ماں ، بیٹی اور بہن سے نکاح جائز قرار دیدیا ۔ چنانچہ اِن اماموں کو اپنی بہو بیٹیاں اور بیویاں پیش کرنا باعثِ سعادت سمجھا جانے لگا ۔ تاریخ میں

اِس اعتراف کو بطورِ سند محفُوظ کیا گیا ہے ۔ ہے

برداشت غلّ شرع بتائید ایزدی   مخدوم روزگار شد ذکرہٗ السلام

یعنی حسن بن بزرگ امید نے جو مخدوم روزگار (مالک آقا یا آغا ہے) شرع محمّدی کو منسُوخ کر دیا ہے ۔ اِس کا ذکر کرنے سے سلامتی ہوتی ہے ۔ یعنی شیعہ اماموں کی طرح یہ علیہ السّلام نہ تھا کہ اُس پر سلامتی ہوتی بلکہ وہ خُود سلامتی دینے والا ذکرہٗ السّلام تھا ۔

ہمارے مُرحوم آغا خان اُسی سلسلے کے آغا یا مخدوم روزگار تھے چنانچہ یہ بھی خُدائی اختیارات استعمال کرتے تھے ۔ لیکن حقیقت پسندانہ اعتراف کے ساتھ کہ من شیطان ہستم وانیھا ہمہ از ذرّیت ما است ،

کہتے ہیں جب اِن کا کوئی پرستار (خوجہ) مرجاتا تو اُس کے ورثاء اُن سے ایک خط زرِ کثیر دے کر حاصل کرتے اور اُسے مرنے والے کے ساتھ دفن کر دیتے جس کی عبارت کچھ اِس طرح ہوتی ۔

" بھائی جبریل ، متوفی سے مطلوبہ رقم وصول ہو گئی ہے ۔ اُسے فردوس بریں میں اچھی جگہ دی جائے ۔

شرحدستخط ۔ آغا خان "

اسماعیلی خوجے اِن لوگوں کو آغا (آقا) مخدوم روزگار یا حاضر امام سمجھتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ اُن کے ذکر سے سلامتی ہوتی ہے ۔ اُنکی عبادت ہی صرف اماموں کو یاد کرنا ہے ۔ اور اُن کے ناموں پر سجدہ کرنا ہے ۔ یہ لوگ نماز روزہ حج زکات سے سروکار نہیں رکھتے ۔ قرآن کی جگہ گجراتی زبان میں دساؤتار نامی کتاب پڑھتے ہیں ۔ جس میں علی کو وشنوجی ، آنحضرت کو برہماجی ۔ آدم کو شیوجی اور آغا خان کو حاضر امام یعنی زندہ خدا بتلایا گیا ہے ۔ ہمارے قائد اعظم مرحوم اِسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے ۔ اُن کی قانونی وارث محترمہ شیریں بائی اور اُن کا خاندان بھی اِسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے

البتہ قائداعظم مرحوم کی بیٹی اور نواسے (جو اُن کے وارث نہ بن سکے) زرتشتی مذہب قبُول کر کے پارسی بن گئے ہیں اس لئے فدک کے دعویدار نہیں ہیں۔

قائداعظم علیہ الرحمۃ آغا خان کے قانونی مشیر تھے اور پانچ ہزار مشاہرہ ماہوار پاتے تھے۔ جب یہ خُود گورنر جنرل بن گئے آغا خان نے مشاہرہ بند کر دیا۔ (صدیق علی خان)

ہندُوستان میں حسن بن صباح کی جو ذریت آکر پناہ گزین ہوئی وہ مخدُوم زادوں کے نام سے پہچانی جاسکتی ہے۔ مرورِ زمانہ سے یہ مُسلمان ہوگئے مگر پیری مریدی اور مُردہ بزرگوں کی پرستش اب بھی ان کے معاشرے میں موجُود ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے عبدالحلیم شرر کی فردوسِ بریں یا ہسٹری آف اسیسنز از جرمن مؤرخ جوزف فان ہمیر کاش کوئی صاحب یہ کتاب پھر شائع کروا دیتے یا اس کا ترجمہ چھپوادیں جو ہمارے ایک دُوست نے کر رکھا ہے

مُسلمانوں پر غضبِ الٰہی

نجیب آبادی لکھتے ہیں "۱۲۵۶ھ میں عبّاسیوں کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ تختِ خلافت پر بیٹھا اُس نے مویدالدین علقمی کو جو ایک غالی شیعہ تھا اپنا وزیرِ اعلیٰ بنا لیا۔ علقمی نے شیعوں کو آگے بڑھانا اور ہر قسم کی رعائتوں سے نوازنا شروع کیا۔ دیلمیوں کے زمانے میں جو بدعات جاری ہوئی تھیں اُن کو پھر زندہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ سُنّی فسادات شروع ہوگئے۔

اب علقمی عبّاسیوں کو ہٹا کر علویوں کی خلافت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ بغداد کے بعض سمجھدار لوگوں نے خلیفہ کو اُس کی غدارانہ روش اور منصوبوں سے آگاہ کیا۔ مگر خلیفہ اس قدر احمق تھا کہ اُس نے علقمی سے ان شکایتوں کا ذکر کر دیا۔ علقمی نے ان سب کو سخت سزائیں دیں۔ پھر علقمی نے خلیفہ کو لہو ولعب اور شراب نوشی و عیاشی کی طرف مائل کر دیا اور ہر طرح کے اندیشوں سے محفوظ ہو گیا چند روز بعد خلیفہ کے بیٹے ابوبکر نے شیعوں کی دست درازی کو روکنے کے لئے

بغداد کے ایک محلہ کرخ پر حملہ کر دیا۔ اور علقمی کے بارے میں سخت وسُست الفاظ کہے۔ اس سے علقمی کو ملال ہوا۔ اُس نے فوراً چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خان کو جو تاتاریوں کا سردار اور خراسان کا بادشاہ تھا خط لکھا اور بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ بغیر جدال و قتال کے خلافتِ عبّاسیہ پر آپ کا قبضہ کرا دُونگا ہلاکو عربوں اور مُسلمانوں کی فوج سے خائف تھا۔ اُس نے ضمانت طلب کی۔ علقمی نے وہ بھی فراہم کر دی۔ اب اُس نے خلیفہ سے فوج کم کر کے اخراجات بچانے کو کہا۔ خلیفہ نے مَنظور کر لیا۔ اور اپنی بہت سی فوج بغداد سے باہر دُوسرے شہروں اور ولایتوں میں منتقل کر دی۔ باقی فوج کو علقمی نے مُوقوف کر دیا اور خلیفہ سے کہدیا کہ وہ تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے سرحد پر بھیج دی گئی ہے۔

چنانچہ ہلاکو نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اہلِ شہر نے مدافعت کی اور پچاس روز تک تاتاریوں کو شہر میں نہیں گھُسنے دیا۔ دریں اثنا شہر کے شیعوں نے ہلاکو خاں کے لشکر میں جا جا کر امن حاصل کیا اور شہر کے حالات سے مطلع کیا۔ وزیر علقمی شہر کے اندر رہا اور دم دم کی خبریں ہلاکو کو بھیجتا رہا۔ پھر خُود بھی جا کر ہلاکو سے مل گیا۔ اور شیعوں کے لئے امن کا پروانہ حاصل کر کے واپس آیا۔ بادشاہ سے کہا میں نے آپ کے لئے بھی امن حاصل کر لیا ہے۔ آپ ہلاکو کے پاس چلیں وہ آپ کو عراق پر اسی طرح قابض و متصرف رکھے گا۔ خلیفہ مع اپنے بیٹوں کے ہلاکو کے پاس پہنچ گیا خلیفہ کو دیکھ کر ہلاکو نے کہا آپ اپنے ارکینِ سلطنت اور شہر کے عُلما و فقہا کو بھی بلائیں وہ سب بھی آگئے۔ ہلاکو نے سب کو قتل کرنے کا حُکم دیا۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ شہر میں حکم بھیجو کہ لوگ اپنے ہتھیار رکھ کر خالی ہاتھ شہر سے باہر آجائیں۔ جب وہ باہر آگئے تو ان سب کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا گیا۔ اِس طرح کئی لاکھ شہری قتل ہوئے جن سے شہر کے گرد کی ساری خندقیں پٹ گئیں۔ اور دجلہ کا پانی مقتولوں کے خوُن سے سُرخ ہوگیا۔ پھر تاتاری شہر میں گھس گئے اور عورتوں بچوں کا قتل شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ شہر کے اندر کوئی متنفس زندہ نہ بچا۔ کہتے ہیں بغداد میں ایک

کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ اگلے روز ہلاکو خلیفہ کو لے کر شہر میں آیا۔ قصرِ خلافت میں دربار کیا اور خلیفہ سے کہا۔ اپنے خزانوں کی کنجیاں بتلاؤ مگر کنجیاں نہ ملیں تو سب تالے توڑ ڈالے گئے اور زمین دوز خزانوں سے جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیوں سے بھرے ہوئے حوض نکلے۔

ہلاکو خان نے کہا۔ جس چیز کو تم کھا نہ سکتے تھے اس کو اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا۔ اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا کہ وہ تمہاری طرف سے لڑتے اور تمہارا موروثی مُلک بچاتے۔

پھر علقمی کے مشورے سے ہلاکو نے خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔ پھر اس کی لاش کو زمین پر ڈال کر مُغل سپاہیوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کرا دیا علقمی بھی یہ منظر دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا کہ میں علویوں اور شیعوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہوں۔

ہلاکو نے عراق پر اپنے عامل مقرر کر دیئے اور علقمی کو دُھتکار دیا۔ چند دنوں تک علقمی تاتاریوں کے ساتھ اُن کی جوتیاں سیدھی کرتا پھرا۔ اور اپنی ناکامی کے صدمے سے مر گیا۔ (تاریخ اسلام ج ۲)

اتفاق سے یہ سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاکو کی قسمت میں لکھی تھی کہ اُس نے ایران کے شیخ الجبل حسن بن صباح کی فردوس بریں کو کھود پھینکا۔ اور اسلام کے جسم کا یہ ناسُور عباسیوں کے ساتھ ہی دفن کر دیا۔ پھر ہلاکو کی اولاد مسلمان ہوئی اور اُس نے اسلام کی بڑی خدمت کی جس کا اعتراف علامہ اقبال نے کیا ہے۔ ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے،

نیز اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا کہ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

غَیْرَکُمْ یعنی اگر تم تولائی (نافرمان) بن گئے تو ہم تمہیں کسی دُوسری قوم سے بدل دیں گے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ عبّاسیوں اور اُن کے عجمی رفقائے کار کو ہٹا کر تاتاریوں کو مسلط کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن جب اُس کی گمراہی حد سے بڑھ جاتی ہے تو سزا ضرور دیتا ہے۔ عراق کی سرزمین بابل و نینوا کی میراث ہے۔ یہاں بدکاریاں اور بداعمالیاں ہوتی ہی رہی ہیں۔ اِس لئے نبیاں بھی آتی رہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی آلِ نمرود پر ایک دُوسرا قہرِ الٰہی تھا اور بس۔

ہندوستانی اسلام

آپ نے عرب و عجم کے اسلام کا حال دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی گمراہیوں کی سزا بھی سُن لی۔ اب آپ دیکھیں کہ ہمارے ہندوستان میں اسلام پر کیا گزری مسلمانوں نے ہندوستان پر کم و بیش ایک ہزار سال حکومت کی ہے جن میں مختلف قومیں مختلف قبیلے حملہ آوروں کی طرح یہاں آئے اور حکومت پر قابض ہوگئے کبھی ترک آئے، کبھی مُغل، کبھی پٹھان، کبھی ایرانی۔ لیکن اُنہیں صرف حصولِ حکومت سے غرض تھی اسلام سے سروکار نہ تھا۔

۹۵۲ھ میں ایک انقلاب آیا۔ مُغلیہ بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سے زک اُٹھا کر ایران بھاگا۔ شاہ ایران نے شیعیت قبول کرنے کی شرط پر فوج اور روپیہ دیا جس سے ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کر لیا۔ اور ایرانی فوجیوں کو بڑے بڑے مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر یہاں آباد کر دیا۔ یہ ایرانی اپنے ساتھ شیعہ اثنا عشری مذہب لائے اور اُسے سارے ہندوستان میں پھیلانے لگے۔ خاص کر شمالی ہند اُن کے قبضے میں رہا اور وہاں شیعیت نے خُوب پر پرزے نکالے۔ جس کی تفصیل کتاب بادشاہ بیگم اودھ مطبوعہ مکتبہ محمود کراچی میں ملاحظہ فرمایئے۔

اکبر کا زمانہ آیا تو اُس کے دربار میں ابوالفضل فیضی۔ عرفی۔ بیرم خان وغیرہ شیعہ حضرات موجود تھے۔ اِن لوگوں نے اسے ایک نیا مذہب بنانے کی صلاح

دی اور بتلایا کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے جس میں کا فرد سے نفرت سکھائی جاتی ہے۔ تم ایک ایسا مذہب بناؤ۔ جس میں ہندو مسلم پارسی سب بھائی بھائی ہو جائیں۔ آپس میں شادی بیاہ کرنے لگیں۔ اور اپنے نادیدہ خدا کو پوجنے کے بجائے بادشاہ کو پوجیں۔

اکبر اس تجویز سے خوش ہو گیا۔ چنانچہ دین الٰہی بنا۔ اور اکبر بادشاہ کو اللہ اکبر کا خطاب دیا گیا۔ فیضی صاحب اُس کے پیغمبر بن گئے۔ فیضی نے ایک بے نقط عبارت لکھ کر کیلے کے درخت میں پیوست کردی اور بادشاہ سے کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اللہ نے آپ پر صحیفہ نازل کیا ہے وہ اِس کیلے کے درخت میں ملے گا۔ اِس مضمون کو کسی نومسلم نے سو سال قبل نظم بھی کیا تھا

عرض شاہ نے جاکے دیکھا چمن میں
سر مو نہ تھا فرق اس کے سخن میں
کیا قطع نخل اور اِس کو نکالا — جو دیکھا تو نقطوں سے خالی رسالہ
بہت سیدھا سادھا تھا سلطان والا — ہوا شبہ پیغمبری کا دو بالا
نہ اکبر ذرا رمز لا حول سمجھا
جو ابلیس کو صادق القول سمجھا (دبشکریہ حریت کراچی)

اکبر کے بعد جہانگیر ہوا۔ اُس نے نورجہاں سے شیعہ شوہر کو قتل کروا کر اُس سے شادی رچائی۔ نورجہاں نے اپنے مجتہد علی شوشتری کو بلا کر مسرور بار تبرّا بازی شروع کروادی۔ اور کوئی مُلا عالم فاضل دم نہ مار سکا حتیٰ کہ شوشتری صاحب کی دشنام طرازی رنگ لائی۔ ایک دن آپ نے سلیم چشتی کی شان میں گستاخی کر ڈالی اور کیفرِ کردار کو پہنچے۔ جہانگیر کے زمانے میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ منظرِ شہود پر آئے۔ انہوں نے بادشاہ کی بہت کچھ اصلاح کی اور بہت سے مسلمانوں کو سدھارا۔ مگر جو آوا بگڑ چکا تھا وہ سدھر نہ سکا۔ مُغلوں میں شیعہ خون شامل ہو چکا تھا اور وہ گمراہ ہو چکے تھے۔

عالمگیر اور شیعیت

آپ سنتے آئے ہیں کہ عالمگیر بڑا پکا مذہبی بادشاہ تھا اور شیعوں کا سخت دشمن تھا۔ اب ذرا یہ واقعات بھی اُس سے متعلق سُن لیجئے۔ پہلے ایک شیعہ لطیفہ سنیئے اور دیکھئے کہ وہ کیسے ماحول میں تھا۔

لطیفہ

اورنگ زیب کے زمانے میں نعمت خاں عالی کے دشمنوں نے ایک کمیٹی مقرر کی۔ جہاں یہ لوگ رات کے وقت اکٹھے ہو کر شیعوں کے باپ دادا پر لعنت کیا کرتے تھے۔ ایک روز خان عالی بھی کسی ترکیب سے اِس جلسے میں جا پہنچے اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حسبِ قاعدہ ایک شخص اُٹھا اور کہا۔ فلاں بن فلاں رافضی بود۔ اہل مجلس نے جواب دیا بر پدرش لعنت۔ نعمت خان نے انہیں کے مطابق کہا۔ محمد بن ابوبکر رافضی بود۔ اہلِ مجلس نے وہی فقرہ چست کیا۔ یعنی بر پدرش لعنت۔ خان عالی نے کہا۔ آمین۔ بشیں باد۔ جب اہلِ مجلس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا بہت نادم ہوئے۔

(ص ۳۳ تفریح الشیعہ حصہ اوّل مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور)

اِس لطیفے کی صداقت سے ہمیں بحث نہیں۔ البتہ اپنے سُنّی بھائیوں کی ایسی کمیٹی پر حیرت ہے جو شیعوں کی طرح تبرّا بازی کا مقابلہ کرتے تھے تاہم اُس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عالمگیر کا وزیر نعمت خان عالی ایک غالی شیعہ تھا۔ چنانچہ یہ روایت بھی صحیح ہونا چاہیئے کہ بادشاہ عالمگیر نے ایک دن نعمت خان عالی سے پوچھا تم شیعہ ہو یا سُنّی، نعمت خان نے جواب دیا۔

بارہا گفتم بتو اے شہر یار
چاریارم چاریارم چار یار

عالمگیر اِس جواب سے کیا سمجھا ہمیں نہیں معلوم۔ مگر جواب سے صاف ظاہر ہے کہ خان عالی نے اپنے بارہ امامی شیعہ ہونے کا جرأت کے ساتھ اعلان کر دیا تھا۔ ہندی لفظ بارہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِس نے کہا میں بارہ

میں سے ہوں۔ پھر چار یار کو تین بار دہرا کر بارہ امام پُورے کرئے اُس سے باطنی بھائیوں کی ہوشیاری اور چالاکی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کسطرح بڑے بڑے عقلمند بادشاہوں کو بے وَقوف بنا دیتے تھے۔

عالمگیر کو دھوکا

کہتے ہیں کہ عالمگیر کے ایک درباری حیدر بخش نے اپنی دُو بیٹیاں اورنگ زیب کے حضُور پیش کیں اور خواہش کی کہ اُن کی شادیاں بادشاہ اپنی پسند سے کردے۔ پھر یہ بھی اعلان کیا کہ میں شیعہ مذہب سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اِن لڑکیوں کو سُنّیوں سے بیاہا جائے اور آخری خواہش یہ ہے کہ جب میں مَروں تو میرا کفن دفن سُنّی طریقے پر کیا جائے۔ بادشاہ نے ایک لڑکی کی شادی اپنے بیٹے معظم سے کردی۔ اور دُوسری کسی سُنّی درباری کو بیاہ دی۔ کچُھ دن بعد بادشاہ کو اطلاع ملی کہ حیدر بخش چل بسے۔ بادشاہ نے اپنے درباری مُلّا کو حکم دیا کہ اُن کی تجہیز و تکفین سُنّی طریقے پر کی جائے۔ مُلا صاحب وہاں پہنچے تو شیعوں نے لاش پر پہلے ہی سے قبضہ کر رکھا تھا۔ اور شیعہ طریقے پر تجہیز و تکفین ہو رہی تھی۔ مُلا صاحب نے بادشاہ کا حکم سُنایا تو مجتہد صاحب نے مرحوم کی تحریری وصیت پیش کردی جس میں لکھا تھا۔

میں فلاں ابن فلاں شیعہ پیدا ہوا۔ شیعہ زندہ رہا اور شیعہ ہی مَر رہا ہوں میری دُونوں بیٹیاں بھی شیعہ پیدا ہوئیں اور شیعہ طریقہ پر پل کر بڑی ہوئی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ شیعہ رہیں گی۔ اور اگر اپنے شوہروں کو شیعہ نہ کر سکیں تو کم سے کم اپنی اولاد پر ضرور قابُو پا جائیں گی۔ اور یہی میری زندگی کا نصب العین تھا۔ فقط العبد گنہگار وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عالمگیر کے بعد اُس کا بیٹا شہزادہ معظم وارث تخت و تاج سلطنتِ مُغلیہ ہوا تو اُس نے اپنی شیعیت کا بے دُھڑک اظہار کردیا اُس کی تفصیل ہمارے دُوست محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کی کتاب فضائل صحابہ

اور اہلِ بیت مولفہ شاہ عبدُالعزیز (مطبوعہ پاک اکیڈمی وحید آباد کراچی) مقدمے میں لکھتے ہیں۔

مُغل بچہ سیّد بن گیا

اورنگ زیب کا فرزند بہادر شاہ اوّل تخت نشین ہوا تو اُس نے شیعہ مسلک اختیار کیا۔ مؤلف سیر المتاخرین لکھتے ہیں کہ شہزادہ معظم نے شیعہ مذہب کی تحقیق کی اور اُسے حق سمجھ کر قبُول کیا۔ پھر اس کی تبلیغ و اشاعت میں مشغُول ہوگیا۔ اس نے اپنے نام میں سیّد کا اضافہ کیا۔ اور چوتھے سال جلوس ۱۱۲۲ھ میں شیعہ وزیر منعم خان کے مشورے سے حکم دیا کہ خطبات میں علیؓ کے نام کے ساتھ علی ولی اللہ وصی الرسُول اللہ داخل کیا جائے۔ اس حکم سے جمہور اہلِ سُنّت میں بددلی پھیل گئی۔ احمد آباد گجرات میں ایک خطیب مارا گیا لاہور میں بات اس سے زیادہ بڑھ گئی۔

بہادر شاہ نے عُلماء لاہور کو طلب کیا۔ مولانا یار محمّد مع مولانا محمّد مُراد اور دیگر تین عُلماء دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ سے مناظرہ و مباحثہ کیا۔ شمسُ العُلما مولوی ذکاء اللہ دھلوی تاریخ ہندُوستان جلد نہم میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے حاجی یار محمّد اور اُن کے دُو ہمراہیوں کو ایک قلعہ میں قید کردیا۔ اُس کے بعد سیّد برادران یعنی قطب الملک عبدُاللہ خان۔ اور امیرالامراء حسین علی خان (جو تاریخ میں سادات بارہہ یعنی بارہ اماموں شیعہ (جو بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہیں) قلمدان وزارت سونپ دیا۔ وہ مُلکی سیاست پر ہر طرح چھا گئے۔ اور اپنے عقائد و نظریات کی کھُلی اشاعت کرنے لگے۔ حسین علی خان ہر مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخوں کو مجلس عام کرتا تھا جس میں جوق در جوق خلقت شریک ہوتی۔ اور عُلوم اہل بیت پر ایمان افروز تقریریں سُنتی۔"

مُلاحظہ فرمایا آپ نے یہ ہندُوستان کی راجدھانی ہے۔ اور یہ مُغلیہ حکومت ہے

جو مسلمانوں کے نام سے یہاں حکومت کر رہی ہے۔ اِن کا ایک سپوت اعلانیہ شیعہ بنتا ہے تو اسے سیّد بننے کا بھی حق ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی بیوی سیدانی ہے۔ جب بادشاہ سیّد بن سکتا تھا تو دُوسرے کم حیثیت افراد کو پوچھنے والا کون تھا۔ بافندے نداف سپاہی بھی مذہب تبدیل کرکے سیّد بن جاتے تھے۔

اس کے تھوڑے دنوں بعد جو حال اسلام کا ہندوستان میں ہوا۔ ایوب صاحب سے سُنیئے۔ لکھتے ہیں: "اس کے بعد ہندوستان میں ہر طرف شیعہ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ اُدھر روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ۔ سندھ میں میراں سندھ۔ بنگال میں میر جعفر کا خاندان اور دکن میں مختلف ریاستیں شیعیت کو پروان چڑھانے میں مصروف ہوگئیں اور دہلی کا یہ حال تھا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خان امیرالامراء کا دس گیارہ سال تک دہلی پر استیلا رہا۔ اُن کے زمانے میں شیعیت کو بڑا فروغ ملا۔ اور سنیوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مرزا مظہر جان جاناں لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ کرام خاص کر خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اُن کے سامنے مرثیہ خوان تبرا کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز مصنف تحفہ اثنا عشری پر بھی تبرا بازی کی جاتی تھی۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب برداشت کرنا پڑے۔ اس کا سبب شاہ صاحب کا شیعیت کے خلاف قلمی و لسانی جہاد میں حصہ لینا تھا۔ پھر شاہ صاحب کی جائیداد املاک ضبط ہوگئی۔ اور وہ شہر دہلی سے نکال دیئے گئے۔ اور شیعوں کی جسارت کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں امام مسجد اور پیش امام بن کر جمہور اہل سُنت کی امامت کے فرائض انجام دیتے۔ اور اپنے مسلک کی سرعام تبلیغ کرتے۔ مساجد کے ممبروں سے فضائل اہل بیت بیان کرتے۔ اُن کے دُشمنوں یعنی سُنیوں پر لعنت بھیجتے اور لوگوں کو متاثر کرکے اپنے مسلک پر لانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اس دور میں جو غیر مسلم داخلِ اسلام ہوئے وہ اثنا عشری مسلک کے متبع تھے۔ مثلاً محمد حسین قتیل فرید آبادی اور مکند رام فدوی لاہوریہ دونوں شیعہ ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کے کفر و شرک کی سزا،

آپ نے دیکھا مغلوں کا تین سو سالہ دورِ حکومت اسلام کے لئے کیسا تباہ کن ثابت ہوا۔ اس نے اسلام کو کیسی پستی و ذلت میں پہنچا دیا چنانچہ پھر اذھب الیٰ فرعون انّہٗ طغیٰ کا حکم دینے کی ضرورت ہوگئی۔ مگر اس پاس یعنی ساری دُنیا ء اسلام میں کوئی فرقہ کوئی قوم اور کوئی ملک اس قابل نہ تھا کہ دُنیا بھر کے گمراہ مسلمانوں کو ان کی گمراہی کی خاطر خواہ سزا دے کر راہ راست پر لاسکے

اللہ تعالیٰ نے اس بار جزیرہ برطانیہ کو مسلمانوں کی تادیب و تربیت کے لئے پسند فرمایا۔ یہ لوگ مسلمانوں سے صلیبی جنگوں میں اسلامی توحید کے گر سیکھ کر گئے تھے اور اپنے اخلاق و عادات سنوار کر ایک پسندیدہ قوم بننے کے اہل بنے تھے انہوں نے رومن کیتھلک کے مشرکانہ عقائدِ تثلیث سے توبہ کرلی اور پروٹسٹینٹ یعنی احتجاج کرنے والے اور اللہ کی وحدت کو ماننے والے بن گئے تو یہ اُن کی سرفرازی کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؎

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی (ستارہ پرست تاتاری) یا عیسائی اُن کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ اور وہ غمناک بھی نہ ہوں گے۔" المائدہ۔ ۶۹

حکومت الٰہیہ پر کسی قوم و ملت یا فرقے کی ٹھیکیداری نہیں ہے جو قوم بھی اللہ کی وحدت کو تسلیم کرے گی۔ اور آخرت کے حساب سے ڈرے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم بن جائے گی اور اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا کی بادشاہت عطا فرما دے گا خوشحال بنا دے گا اور دیکھے گا کہ کیسے کام کرتی ہے۔ کیف تعلمون۔ کام ٹھیک ہوئے تو کچھ دن بڑھا دیئے ورنہ رسّی کھینچ لی اور تختہ اُلٹ دیا۔ چنانچہ انگریز، ہندوستان میں گھس آئے۔ بنگال میں میر جعفر کی خبر لی۔ اُدھر میں آصف الدولہ کے خاندان کو ٹھیک کیا اور پھر دلّی میں شہنشاہ ہند کی مزاج پرسی کے لئے پہنچے

اِس قصّے کو اپنی تاریخ کی زبانی سنیئے ۔

مُغلیہ حُکومت کا انجام ۱۸۵۷ء

بہادر شاہ کا بیٹا مرزا مُغل دہلی کی فوج کا جرنیل بنا یا گیا لیکن وہ سخت نا اہل تھا۔ نہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا تھا نہ اُن کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ شہر میں ابتری پھیلی خوراک کی کمی ہوگئی۔ لوگ بھوک کے مرنے لگے شرپسندوں نے لوٹ مار شروع کر دی بہادر شاہ نظام الدین اُولیاء کے مزار پر دُعا کرتا رہتا مگر فوجی کاروائیوں میں حصّہ نہ لیتا تھا۔

چودہ ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر بخت خان دلی آگیا۔ اُس نے شہر کا انتظام سنبھالا[۱۹] امن دامان قائم کیا۔ لیکن حالات روز بروز خراب ہونے لگے۔ انگریزوں نے شہر کے اندر جاسوسوں کا جال پھیلا دیا۔ بادشاہ کے قریبی مشیر بھی انگریزوں کے مخبر تھے۔ اُنہوں نے مرزا مُغل کو بخت خان سے لڑوا دیا۔

ستمبر کے مہینے میں انگریزوں نے شہر کی فصیل میں شگاف کیا اور اندر داخل ہو گئے۔ چھ دن کی لڑائی کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی۔ اُسے وہاں سے گرفتار کیا گیا۔ اُس کے بیٹوں کے سر قلم کر کے ایک طشت میں اُس کے سامنے پیش کئے گئے۔ اور محلات کو لوٹا گیا۔ پھر اسے رنگون بھیج دیا گیا جہاں ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔

آپ نے دیکھا مسلمان بادشاہ پناہ لینے کہاں گیا۔ مقبروں اور مزاروں پر پھر یہ اُمید رکھنا کہ اللہ اُس پر رحم کرتا کتنا غلط تھا۔ اللہ کسی بزدل مُشرک اور گمراہ کی مدد نہیں کرتا۔ گو یہ سچ ہے کہ اس غدرِ عظیم میں سیکڑوں راستِ باز وحق گو بندگانِ خدا بھی انگریزوں کے مظالم کا شکار ہوئے مگر یقیناً ان کی افادیت ناکارہ تھی۔ وہ اِسلام کے اندر باطنی و رافضی رخنہ تو جوڑ نہ سکے تھے۔ انگریزوں کے ریلے کو کیا رُکتے۔

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے۔
قُل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

آہ اِس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے۔ قوموں کی امامت کیا ہے
اِس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دُو رکعت کے امام
(اقبال)

بے شک بغیر کردار کے کوئی قوم اللہ کی برگزیدہ قوم نہیں بن سکتی۔ انگریز بھی کبھی صاحبِ کردار تھے۔ اور اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزوں نے ساری دُنیا کے مُسلمانوں کو اُن کی صدیوں کی جہالت سے نکالا اُن میں علم کا شوق پیدا کیا ورنہ اُن کا مولوی ہندو پجاریوں کی طرح اپنی مذہبی اجارہ داری قائم کئے ہوئے تھا۔ وہ جو چاہتا حرام کر دیتا جو چاہتا حلال بنا دیتا اور کسی کی مجال نہ تھی جو مولوی کے حُکم سے سرتابی کرتا۔ اِس حقیقت کو سب سے پہلے مرزا حیرت دہلوی نے ۱۹۰۶ء میں ظاہر کیا۔ آپ نے صحیح بخاری کا ترجمہ کر ڈالا اور دیباچہ میں لکھا۔

"رسُول اللہ صلعم کے پاک اقوال اور آپ کی پاک ہدایتوں پر ابھی پردہ پڑا ہوا تھا اور لاکھوں اُردو خواں مُسلمانوں کی قسمتیں چند عربی دان مولویوں کے ہاتھوں میں تھیں کہ خواہ اُنہیں اُن کے حقیقی سچائی پسند کے اقوال سُنائیں یا نہ سُنائیں۔ اُنہیں اختیار تھا اِس کے علاوہ صدہا نفس پرست پیشوا عوام الناس کو بہکانے کے لئے یا اُن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اپنی طرف سے بخاری کا نام لے دیا کرتے تھے کہ صحیح بخاری میں یہ لکھا ہے خواہ لکھا ہو یا نہ ہو اور خواہ اُس کے برخلاف ہی لکھا ہو۔ اب اِن کے اِس جور و ظُلم کی عُمر ختم ہو گئی۔ اُمّت مرحومہ کے اُردو خواں افراد ہرگز اِن کے پھندے میں نہیں پھنسیں گے اور دم بھر میں اِن کو خاموش و ساکت کر دیں گے۔ فی الحقیقت اِس کی ضرورت تھی کہ رسُول کی ہدایتیں اور اقوال خاص آدمیوں کے قبضے میں نہ رہیں بلکہ عوام اُن سے براہِ راست استفادہ کر سکیں خُدا اور رسُول کا فیض

عام ہونا چاہیئے۔ اِس کی برکتوں کو خواص میں محدود کرنا جابروں اور ظالموں کا کام ہے"،
مگر صرف صحیح بخاری کے ترجمے سے وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ ابھی ہمیں اپنی ساری عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے دیکھنا ہے کہ مولوی عربی کے ترجموں سے کیوں گھبراتا ہے۔ وہ خطباتِ جمعہ کے ترجمہ کیوں نہیں ہونے دیتا شاید جانتا ہے کہ خطباتِ جمعہ عوام کی سمجھ میں آ گئے تو اکثر نمازی اُٹھ کر اس کی داڑھی نوچ ڈالیں گے اور پوچھیں گے تم اور تمہارے پیشرو صدیوں سے ہمارے بزرگوں پر لعنت بھیجتے رہے۔ کیا اپنے باطنی بزرگوں کو بچوانے کے لئے یہ سارے ڈھونگ نہیں رچائے تھے کہ جو پڑھو عربی میں پڑھو اور نمازیوں کو باور کراؤ کہ سب دُعائیں ہیں جو تمہارے پاپ دھو رہی ہیں۔ اور جنّت کے دروازے کھول رہی ہیں حالانکہ وہی دُعائیں اُن کو دوزخ میں پہنچانے کی ضامن ہیں آپ کا قرآن پکار پکار کر کہتا ہے۔ إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ ہم نے اُسے عربی کتاب بنا کر اُتارا ہے تاکہ تم اپنی عقل سے کام لو اور اسے سمجھو مگر مولوی کہتا ہے تم اپنی عقل کو دخل نہ دو جو میں بتاؤں اُسے مان لو۔ اور اپنے ہُدًی لِّلْمُتَّقِيْنَ کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مُسلمان قرآن کے معنی سمجھ گئے تو اُس کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ اِسلام پھر ایک ولولہ انگیز دین بن کر دُنیا میں سرخرو ہو جائے گا۔ اور اپنے مقام خیر اُمتہ کو حاصل کرے گا۔ اس سے باطنی اِسلام کو زک پہنچے گی۔ جو اُس کا رزاق ہے اِس کے لئے تر غذائیں فراہم کرتا ہے۔ مُلّا شیرینی، حلوے مانڈے۔ مرغ مُسلّم اور پلاؤ سے ہاتھ کیسے دھوئے اُس کی بلا سے اِسلام رُسوا رہے اور مُسلمان گمراہی و جہالت میں مبتلا رہ کر جہنم کا نوالہ بنیں۔ ہاں وہ مجالس عزا بھی برپا کریں گے اور میلاد النبی بھی رچائیں گے خواہ وہ نبی کا یوم وفات ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ گیارھویں شریف اور چالیسویں کی بدعتیں بھی اہتمام سے کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو چلاتے ہیں ؎ برق گرتی ہے تو بے چارے مُسلمانوں پر" اور خود اپنے اعمال

نہیں دیکھتے۔ کیا کوئی جاہل جو لفظ مولا کے معنیٰ نہ جانتا ہو مُسلمان کہلایا جا سکتا ہے۔ پس ۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد پندرہ لاکھ مُسلمان جو ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوئے اِسلام کے لئے مایہ فخر نہ تھے ۴۸ء میں حیدر آباد دکن میں پانچ لاکھ مُسلمان مارے گئے اور قاسم رضوی صاحب ڈکیتی کیس میں سات سال کی سزا کاٹ کر پاکستان آئے اور گمنامی میں مر گئے۔ تو یہ کوئی اِسلام کی خدمت کر رہے تھے یا ۶۵ء کی جنگ میں مارے جانے والے مُسلمان جن کی تعداد نہ معلوم ہو سکی، نہ معلوم ہو گی۔ کوئی پکّے مُسلمان تھے یا ۷۰ء میں مشرقی پاکستان کے سیلاب میں مرنے والے پچیس لاکھ بنگالی اِسلام کے سپوت تھے جو صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ یا وہ بیس لاکھ پنجابی مہاجر اور بہاری جو بنگالیوں نے مار ڈالے یا وہ پچیس لاکھ بنگالی جن کو فوج اور بہاریوں نے مِل کر مارا اِسلام کیلئے کوئی سرمایۂ افتخار تھے حتیٰ کہ ہم اپنے نوے ہزار فوجیوں کو ہتھیار ڈال کر اِسلام اور اِسلامی تاریخ کو رُسوا کرنے پر مُعاف نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جب سوچتے ہیں کہ یہ فوجی تو وہی تھے جو غُلامی کے فیتے سینے پر سجائے پھرتے تھے۔ اُن کی تربیت انگریزوں کے معیار سے ہوتی تھی۔ انگریز تربیت کے ماہر تھے۔ وہ پریڈ اور فٹنگ کے ذریعہ ہیڈ کوارٹر کی شے ہائینڈ کوارٹرز میں اُتار دیتے (سر سے سرین میں) اور حکم کا بندہ بنا لیتے۔ پھر یہ فوجی عُمر بھر دُوست دُشمن نہ دیکھتے نہ کافر اور مُسلمان سمجھتے وہ جس سے چاہتے لڑا دیتے۔ جب ہی تو موسیٰ اور یحییٰ جیسے روافض کی کمان میں رہ کر یہ لوگ یا اللہ اور اللہ اکبر کی جگہ یا علی کا نعرہ لگانے لگے اور نہ جانا کہ یہ شرک اللہ کو پسند نہیں۔ اُسی نے بجرنگ بلی کا نعرہ لگانے والوں کے ہاتھ رُسوا کر دیا مشرکوں کی یہی سزا ہے۔ اِن میں جوشِ ایمان کا فقدان ہو جاتا ہے اسی لئے آج کسی کو کوئی غم نہیں ہے کہ اُن پر کیا بیت گئی۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ صرف ظالموں کو سزا دیتا ہے اور معاشرے کو پاک کرتا رہتا ہے اقبال نے سچ کہا ہے

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

جی ہاں اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات یہی ہے۔ صرف دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والی عقل کی ضرورت ہے یہ عمل ملّت کے ساتھ افراد کی زندگی میں بھی جاری وساری ہے۔ آغا خاں نے قائداعظم پر بھروسہ کیا اور مایوس ہوئے۔ قائداعظم نے لیاقت علی خان پر بھروسہ کیا اور ناکام ہوئے۔ لیاقت نے ایوب پر بھروسہ کیا اور دھوکا کھایا۔ ایوب نے یحییٰ سے اُمید باندھی مگر یحییٰ نے پُرانا حساب بے باق کر دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

یورپی اقوام کا عروج وزوال

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ اُمّت یعنی مسلمانوں کو بار بار پاک کرتا رہا ہے۔ مگر اُنہیں تباہ نہیں کیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے صرف اِس کے ہو کر رہیں۔ اِس کی مخلوق کے غلام نہ بنیں۔ مگر یہ کبھی سلطان الہند کا سایہ تلاش کر لیتے ہیں کبھی خواجہ سے مانگنے لگتے ہیں اور کبھی داتا سے اور شرک وجہالت کی سزا پاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرہ (۲۷۰) البقرہ

(ترجمہ) اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت (سائنس) سکھا دیتا ہے اور جس کو سائنس سکھا دی سمجھو اس پر اپنی نعمتوں کی بارش فرما دی۔

کبھی مسلمان بھی علوم وفنون (سائنس) کے وارث تھے۔ اُن کو ایشیا افریقہ اور کچھ حصہ یورپ بخش کر انعمت علیہم بنا دیا مگر جب یہ علوم وفنون چھوڑ کر علوم باطنی یعنی گنڈے تعویز جھاڑ پھونک دُعا عمل کرنے لگے اور مولویوں پیروں، ولیوں کے چکر میں پڑ کر شرک وگمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ ورسولؐ کی تعلیم کو بھول گئے تو اللہ نے اِن کو بُھلا دیا اور اہلِ یورپ کو علوم وفنون سائنس

حکمت اور دیگر نعمتوں کا وارث بنا دیا اُن کو ساری دُنیا میں علم کی روشنی پھیلانے کی ذمہ داری سونپ دی جس کی وجہ سے آج ہم بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اور اپنے قرآن حکیم کے ترجمے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔

انگریزوں کا زوال

انگریزوں کے عروج کے تین سو سال تھے۔ جس میں اُنہوں نے مسلمانوں کو علوم وفنون سکھا کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا فریضہ بھی ادا کیا اور خود علوم باطنی سیکھنے میں لگ گئے۔ یعنی پامسٹری، ایسٹرولوجی، یوگا اور تصوّف کی مشق فرمانے لگے اور لیڈی بھی بن کر ناچنے گانے لگے تو اللہ نے ہٹلر کو بھیجا جس نے انگریزوں کی کمر توڑ دی۔ اِن کی ساری دُنیا کی حکومت منتشر کر دی۔ پھر وہ روسی ملحدوں کی جہانگیری کے خواب بھی پراگندہ کر کے خود تباہ ہو گیا۔ تاکہ یورپ اپنے زخم چاٹتا رہے اور مسلمان جو پیچھے رہ گئے تھے پھر دُنیا کی امامت سنبھالنے کے لائق بن جائیں ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا (اقبال)

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اقبال کا یہ خواب حقیقت کا رُوپ دھار رہا ہے۔ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کی آزاد ریاستیں قائم ہو چکی ہیں اُن میں تطہیر معاشرہ بھی ہو رہا ہے یعنی پاک سے ناپاک کو جُدا بھی کیا جا رہا ہے اور اُنہیں متحد ہونے کے فوائد بھی سکھائے جا رہے ہیں۔ تاکہ سب مل کر اللہ اکبر کا غلغلہ بلند کریں اور کفر وشرک کو دُنیا سے مٹا دیں۔

مگر ہم آزادی کے پچیس سال بعد بھی اپنے گورے آقاؤں کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں وہ ہتھیار بنا کر دیتے ہیں تو ہم لڑتے ہیں۔ رُوک لیتے ہیں تو ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہمارے بچے اِن کا ہنر سیکھ کر اپنے مُلک کی خدمت نہیں کر سکتے۔ انہیں

یورپ اور امریکہ جا کر گوروں کی چاکری کرنا پڑی ہے۔ اور وہ مصنوعات بنانا پڑتی ہیں جن کی ہم کو ضرورت ہے۔ ہماری غلامانہ ذہنیت کا یہ حال ہے کہ ہماری چائے کا نام لپٹن اور بروک بانڈ رکھ دیا جائے تو خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے دن میں دو بار چائے پینا بھی ضروری ہے کیونکہ ہمارے آقا مفت پلا کر سکھا گئے ہیں۔ اسی طرح ہماری تمباکو سے انگلش سگریٹ بنتا ہے تو اس کا پینا باعثِ افتخار ہے۔ دیسی سگریٹ پئیں تو صاحبی خطرے میں پڑ جائے اور گلے میں خراش پیدا ہو جائے۔

چرس بھنگ افیون ہماری جڑی بوٹیاں ہیں ان کی کاشت اور فروخت پر گوروں کا قبضہ ہے۔ لاکھوں روپئے کی چرس انکے حکم سے ہر سال تلف کر دی جاتی ہے۔ مگر ان ہی اجزا سے تیار کردہ خواب آور گولیاں مسکن مشروبات۔ مارفیا کے انجکشن ایل۔ ایس ڈی اور راکٹ باہر سے آتے ہیں جنہیں ہمارے عوام سونے کے بھاؤ خریدتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ دوائیں ہیں جن سے یورپ اور امریکہ کی نئی نسل افیونی چرسی ملنگ۔ پیر صوفی اور قلندر بن بیٹھی ہے اور اس کے اثرات ہند و پاک میں اُلٹے درآمد ہو رہے ہیں اگر ان کو راکٹ اور مارفیا کی جگہ فلک سیر اور علی بوٹی کی عام اجازت دے دی جائے جسے وہ عبداللہ شاہ غازی۔ لال شہباز قلندر۔ اور مادھو رام حسین کے مزاروں پر بیٹھ کر پی سکیں تو لاکھوں کا زرمبادلہ بچ سکتا ہے۔ ہمارے وزیر اوقاف جناب کوثر نیازی صاحب کو اس تجویز پر غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ چیزیں مذکورہ بزرگانِ دین کو بے حد مرغوب تھیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق ※ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے ※ فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

امریکہ کا زوال

امریکہ دنیا کا متمول ترین ملک تھا۔ وسائل کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ وہ ساری دنیا کو کھلا کر بھی اپنی گندم کے ذخیرے اکثر جلا کر ٹھکانے لگاتا تھا۔ اللہ کا شکر گزار رہتا تو صدیوں اس خوش

حالی سے ہم کنار رہتا۔ مگر آپ کو ساری دنیا کی چودھرایت خریدنے کی ترنگ آ گئی۔ گندم تو دیتے تھے اب قرضے بھی دینے لگے اور سمجھے کہ دنیا کو قرضوں میں جکڑ کر اپنا غلام بنا لیں گے۔ بس خزانوں کے منہ کھول دیئے اور ڈالر برسانا شروع کر دیئے مگر نتیجہ کیا نکلا۔ جو اسلحہ کمیونزم کے ہوتے کو روکنے کے لئے دیا تھا وہ آپس کے جھگڑوں کی نذر ہو گیا۔ یار لوگ پھر قلاش کے قلاش رہے۔ اور امداد دیتے دیتے امریکہ کا بھرکس نکل گیا۔

آپ کوریا کی جنگ میں کودے اور سب مقروض دوستوں کو مدد کے لئے بلایا مگر کوئی نہ آیا۔ اس سے آنکھیں کھل جاتیں تو ویت نام میں جا کر مٹی پلید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر جب اللہ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی عقل پر پردے بھی ڈال دیتا ہے۔ امریکہ نے اپنی نئی نسل کے تمام افراد جنگ میں جھونک دیئے۔ اب اُسے کارخانے چلانے کے لئے غیر ملکی مزدوروں کی ضرورت ہے۔ اور ان کی تنخواہیں دینے کے لئے عربوں کی دولت کی۔ لیکن اب اللہ نے عربوں کو بھی عقل دے دی ہے وہ اپنی دولت اپنے پاس رکھنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس طرح بیرونی دولت کے ساتھ اُسے بیرونی مزدور بھی واپس کرنا پڑ جائے گا۔ جس کے معنی ہوں گے کہ کارخانے بند کر کے اب صرف کاشت کاری شروع کر دینی ہوگی۔ نافرمانوں کی یہی سزا ہے۔

درسِ عبرت

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ؕ

ترجمہ:- تمہیں غالب رہوگے اگر صاحبِ ایمان ہو

یہ وعدہ تھا اللہ کا مسلمانوں سے۔ مگر آپ نے اپنی ہزار سالہ تاریخ دیکھ لی اس میں مغلوبیت ہی نمایاں ہے۔ حتیٰ کہ آزادی کے بعد بھی ہم نے جو

جنگ لڑی اس میں غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ وجہ ظاہر ہے۔ ہمارے ایمان میں خامی ہے جب ہندو بجرنگ بلی کا نعرہ لگا کر حملہ کرتا ہے اور مسلمان یا علی کا نعرہ بلند کر کے مقابلہ کرتے ہیں تو اللہ کے پاس دونوں برابر ہو جاتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہماری افواج یا علی کی جگہ یا اللہ اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیں تو کامیاب ہو سکتی ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں جنگ خیبر کے چودہ سو سال بعد مسلمانوں کو پہلی بار یہودیوں سے لڑنا پڑا۔ اس کی اطلاع رسول عربی نے دے دی تھی۔

لا تقوم الساعۃ حتیٰ تقاتلو الیہود۔ الخ

یعنی قیامت برپا نہ ہو گی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑیں جس کے نتیجے میں یہودی اگر پتھر کے پیچھے چھپے تو پتھر پکارے گا کہ مسلمانو آؤ اور اسے قتل کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کونے کونے سے یہودیوں کو لا کر فلسطین میں جمع کر دیا ہے اب مسلمانوں کو اپنا کام کرنا ہے۔ دیکھئے یہ کتنے دن لیتے ہیں اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو وسیع اختیارات دیئے تھے اس نے ہوا پانی مٹی اور آگ پر حکومت کی۔ فضا سے نکل کر خلا میں پہنچ گیا۔ پس معلوم ہوا کہ وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (لقمان ۲۰) کا وعدہ سچ ہو چکا ہے۔ انسان زمین سے نکل کر آسمان کی سیر کر آیا جس کا اشارہ لا تنفذون الا بسلطان (رحمٰن) میں تھا کہ قوت کے بغیر تم زمین کے نظام ثقل سے باہر نہ جا سکو گے۔ پس جب راکٹ کی قوت حاصل کر لی تو انسان زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ یہ بڑا آسان کام ہے جو چاہے چلا جائے چنانچہ روس کے بعد امریکہ اور اب چین و جاپان بھی اپنے راکٹ آسمانوں پر بھیج رہے ہیں۔ اس کی اطلاع بھی قرآن نے چودہ سو سال پہلے دے دی تھی۔ فتحت السماء فکانت ابوابا (نباء ۱۹)

یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ بلکہ جلد ہی انسان اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھنے والا ہے۔

وبرزت الجحیم لمن یریٰ۔ دوزخ دکھائی جائے گی اور تم دیکھو گے۔

چاند کے بارے میں وعدہ ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر یعنی قیامت قریب آئی اور چاند پھٹا۔ اس کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ امریکہ اور روس اسے پھاڑ کر ہی دم لیں گے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ کر دیا تھا کہ قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ حالانکہ قیامت آج تک نہ آئی۔ اور وہ جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں۔ اللہ کا وعدہ تھا۔ یومئذ تحدث اخبارھا یعنی تمام چھپے ہوئے بھید کھول دیئے جائیں گے۔ یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے چاند کا بھید بھی معلوم ہو گیا۔ اب زلزلے آئیں گے۔ زمین اپنے معدن اگل کر خالی ہو جائے گی۔ خاص کر گیس کے نکل جانے سے اس کے محور میں فرق آ جائے گا۔ جو موسموں پر اثر انداز ہو گا۔ بلکہ ہو رہا ہے۔ کہیں بارشیں ہو رہی ہیں کہیں خشک سالی شروع ہے جہاں بارش نہ ہوتی تھی وہاں طوفان وسیلاب آ رہے ہیں جس سے سائنس دان بھی کہنے لگے ہیں کہ اب یہ دنیا ڈاروِن کے نظریہ ارتقا کے مطابق ہزاروں لاکھوں سال قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اکیسویں صدی دیکھنا بھی محال ہو جائے گا۔

اور خاص کر اب دنیا کی حکومت امریکہ روس یا چین اور ہند کو ملنے والی نہیں ہے بلکہ اب انسان کی حکومت کا وقت ختم ہو گیا ہے الامر یومئذ للہ یعنی اب حکم صرف اللہ کا چلے گا۔ اور اسی کے حکم سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ سارے وعدے ایفا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً

وما کنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظالمون (قصص ۵۹)

ترجمہ:۔ ہم انسانی بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جب تک کہ وہاں کے باشندے ظالم (نافرمان) نہ ہو جائیں۔

جیسے بنگلہ دیش، مشرقِ وسطیٰ، مشرقِ بعید۔ یا پھر جھنگ۔ خان پور، لائلپور وغیرہ میں جو ہوا۔ اِس سے شاید اِس وعدے پر بھی یقین آجائے کہ کسی دن یہ بھی ہونے والا ہے۔ و ان من قریتہ الا نحن مھلکون قبل یوم القیامہ او معذبو ھا عذابًا شدید (بنی اسرائیل ۵۸) ترجمہ:۔ یعنی دُنیا کی کوئی بستی باقی نہ بچے گی جسکو ہم قیامت سے پہلے تباہ نہ کریں یا جہاں ہمارا سخت ترین عذاب نازل ہو۔

پس اپنی تباہ شدہ بستیاں دیکھیے اور تباہ ہونے والی بستیوں کی خیر منائیے اللہ کے آگے توبہ کیجیے گناہوں کی مُعافی مانگیے۔ اور کوشش کیجیے کہ آپ کا شمار بھی ایمان والوں میں ہو جائے۔ ایمان والوں میں شامل ہونا کوئی ایسا بڑا کام بھی نہیں ہے ہمارا قرآنِ حکیم بتلاتا ہے۔

ان الذین آمنوا۔ و الذین ھادوا و النصاریٰ والصابئین من آمن باللہ و الیوم الاخرہ وعمل صالحًا فلھم اجرھم عند ربھم و لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون

——— (سورہ بقرہ ۶۲)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان والے ہیں۔ خواہ یہودی ہوں۔ خواہ عیسائی یا ستارہ پرست (ہندو جوتشی برہمن وغیرہ) جو بھی

(۱) اللہ پر ایمان رکھے گا۔

(۲) آخرت کے حساب سے ڈرے گا۔

(۳) دُنیا میں نیک کام کرے گا اُسے اللہ اچھا بدلہ دے گا۔

ایسے لوگ نہ خوف زدہ رہیں گے نہ غمگین ہوں گے

اِس سے معلوم ہوگیا کہ ایمان والے بننے کی ٹھیکیداری کسی قوم نسل یا فرقے کو نہیں دی گئی ہے۔ اللہ سب کا خالق اور پالنے والا ہے۔ اُسے سب سے پیار ہے۔ بس وہ اپنے اچھے بندوں سے مذکورہ تین باتوں کا مُطالبہ کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پہچان یہ ہوگی کہ نہ وہ

خوف زدہ زندگی بسر کریں گے نہ غمگین دکھائی دیں گے۔

آج جو قومیں نسلیں یا فرقے یا افراد مسلسل خوف و ہراس، کرب و اضطراب میں بسر کر رہے ہیں۔ یا جو لوگ صدیوں سے سُوگواروں اور ماتمیوں کی زندگی بسر کرنے کے عذاب میں مُبتلا ہیں۔ وہ اہلِ ایمان میں ہرگز شمار نہیں ہو سکتے یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اَے مردِ مُسلمان

اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

——— (اقبالؔ)

وماعلینا الا البلاغ!

نظرِثانی کے بعد مئی ۱۹۷۴ء — عُزیر احمد صدیقی۔

کراچی

جس دن بابا شجاع نے ہرمزان، حنیفہ، سلمان فارسی اور کعب احبار یہوُدی کی مِلی بھگت سے اِسلام کے سب سے بڑے اولوالعزم اور باجبروت خلیفہ حضرت عمرؓ کے پیٹ میں چُھری گھوُنپ کر اِسلام کی بُنیادیں ہلا دیں۔ اور جس دن مُحمّد بن ابُوبکر (حضرت علیؓ کا سوتیلا بیٹا) اپنا حبشی غُلام جون ایلیا کے ساتھ دیوار پھاند کر خلیفہ معصُوم حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھُس گئے اور برچھی سے حملہ کر دیا۔ حضرت نائلہ بچانے آئیں تو جون ایلیا نے تلوار چلا دی جس سے اُن کی اُنگلیاں کٹ گئیں اور تلوار خلیفہ مظلُوم کی گردن میں پیوست ہوگئی۔ آج ہم مُسلمانوں کی حالت ہے کہ اُن دُو عظیم فرزندِ اِسلام کے بارے میں کوئی معلوُمات نہیں ہے۔ وہ تو صِرف جانتے ہیں کہ اِسلام کی سب سے عظیم شہادت حضرت حُسینؓ کی ہے۔ حالانکہ اُنہوں نے اِسلام کی خاطر ہرگز جان نہیں دی۔ بلکہ حصُولِ خلافت کی خاطر جان دی۔ جس دن حضرت مُحمّد ﷺ کا یومِ وفات ہے اِس دن 12 ربیع الاوّل کو ولادت کی خوشیاں اور جشن مناتے ہیں۔

یاد رہے کہ مُسلمان اپنی میراث یعنی خلافت فِی الارض یا امامتِ عالم اپنے دستِ بازو سے حاصِل کریں گے۔ اگر نصیب ہوئی۔ اِسے یاد دلانے کیلئے کوئی امام مسیح۔ مہدی نہ آئے گا۔ اُن کا انتظار صِرف وہ لوگ کرتے ہیں جو نصرتِ الٰہیہ سے محُروم اور مایوس ہیں۔

والسّلام

ایک بھائی

12-06-1987

عُزیر احمد صدیقی کی معرکۃ الآرا تحقیقی تالیفات جن سے اسلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(۱) سبائی سبز باغ (اسلام پر یہودی اثرات)

(۲) اَرمُغانِ عَرب (تقویتُ الایمان)

(۳) اَرمُغانِ عجم (میراث بابل وَنینوا)

(۴) رام راج (ارمُغان وید ہند)

(۵) خُداؤں کو اَلوِداع

(۶) اَبدی بشارتیں

(۷) حیاتِ سیّدہ خُدیجہؓ

(۸) اہلِ بیت رسُولؐ اور تحقیق آلِ مُحمّدؐ (کرامات دُرود شریف)

(۹) ہمارا علمِ تفسیر

(۱۰) احسن الحدیث تفسیر قرآن پاک ۱ تا ۱۰ پارے

(۱۱) اشرف الحدیث " " ۱۰ تا ۲۰ پارے

(۱۲) افہام القُرآن " " ۲۱ تا ۳۰ پارے

(۱۳) اَنمٹ باتیں

(۱۴) اِسلام کہاں ہے؟

(۱۵) حیاتِ سیّدہ سکینہؓ